بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

انسانوں نے قرآنِ کریم کی روشنی سے بہت تھوڑے سے وقت کے لئے راہنمائی حاصل کی اور اس کے بعد اس شمع نورانی پر انسانی تصورات اور خود ساختہ معتقدات کے ایسے دبیز پردے پڑنے شروع ہو گئے کہ کچھ عرصہ کے بعد اس کی روشنی ان پردوں کے نیچے یکسر گم ہو کر رہ گئی۔ یہ حالت صدیوں سے چلی آ رہی تھی کہ ہمارے زمانے میں بعض سعید روحوں نے اس شمع حقیقت سے انسانی تخیلات و معتقدات کے پردوں کو اٹھانے کی کوشش کی تا کہ اندھیروں میں بھٹکتی ہوئی دنیا' اس دانشِ نورانی سے پھر سے راہنمائی حاصل کر سکے۔ ان میں بعض حضرات تو وہ تھے جنہوں نے قدامت پرست' مذہبی حلقہ کو خصوصیت سے مخاطب کیا اور ان غلطیوں کو ایک ایک کر کے گنایا جن کی وجہ سے وہ قرآن سے اس قدر دور ہو چکے تھے اور بعض وہ جنہوں نے آنے والی نسل کے رجحانات و میلانات کا دقتِ نظر سے مطالعہ کر کے اسے بتایا کہ عصرِ حاضر کے تقاضے کیا ہیں اور قرآنِ کریم کس طرح ان تقاضوں کو پورا کرتا ہے۔ اس طرح انہوں نے کوشش کی کہ ہمارا نوجوان' تعلیم یافتہ طبقہ قرآن کے قریب آ جائے اور اس شمع نورانی کو ہاتھ میں لے کر آگے بڑھے۔ اول الذکر طبقہ میں علامہ اسلم جیراجپوریؒ کا نام خصوصیت سے لیا جا سکتا ہے اور ثانی الذکر میں علامہ اقبالؒ ایک ممتاز حیثیت رکھتے ہیں۔

محترم پرویز صاحب نے ان دونوں گروہوں کی بصیرتِ قرآنی سے کسب ضیا کیا تھا یہی وجہ تھی کہ ان کی نگاہ قدیم پر بھی تھی اور جدید پر بھی۔ انہوں نے اسلام کی تاریخ کا بڑی گہری نظر سے مطالعہ کیا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ وہ عصرِ حاضر کے تقاضوں پر بھی وسیع نظر رکھتے تھے۔ ان کی ساری عمر قرآن کے مطالعہ میں گزری اور قرآنِ کریم کے ساتھ ان کی والہانہ گرویدگی اور عشق کا نتیجہ تھا کہ قرآن ان کے دل کی گہرائیوں میں اتر کر ان کے افقِ ذہن پر چھا گیا۔

غلام احمد پرویز (رحمتہ اللہ علیہ) کی والادت باسعادت مورخہ ۹ جولائی ۱۹۰۳ء کو (موجودہ مشرقی پنجاب کے) ضلع گورداسپور کے قصبہ بٹالہ میں ہوئی۔ آج آپ کی پیدائش کو ایک سو ایک واں سال پورا ہونے کو ہے۔ آپ کے دادا مولوی' چوہدری' رحیم بخشؒ حنفی مسلک کے ایک جید عالم اور سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ایک ممتاز بزرگ ہونے کے علاوہ ایک ماہرِ طبیب اور سنسکرت کے عالم تھے۔ غلام احمد پرویز علیہ الرحمتہ کی ابتدائی تربیت اپنے دادا کی زیرنگرانی ہوئی اور یہی وجہ ہے کہ میٹرک تک پہنچتے پہنچتے ان کی نگاہ کی مشرقی مغربی افقین کافی وسیع اور ''باطنی علوم'' کی گہرائیاں کافی عمیق ہو چکی تھیں۔

بی۔اے پاس کرنے کے بعد سول سروس میں چلے گئے اور ۱۹۵۴ء میں جب کہ آپ وزارتِ داخلہ میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدہ پر فائز تھے۔قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے لی تا کہ اپنے قرآنی مشن کو پورا وقت دے سکیں۔

اس دوران میں آپ کی زندگی علمی معرکہ آرائیوں سے عبارت رہی۔۱۹۳۲ء میں ابوالکلام آزاد کے تفسیری ترجمہ (ترجمان القرآن) کی پہلی جلد شائع ہوئی۔انہوں نے سورۃ الفاتحہ کی تفسیر کے سلسلے میں اپنے اس نظریہ کی تبلیغ بڑی صراحت سے کی تھی کہ عالمگیر سچائیاں دنیا کے ہر مذہب میں یکساں طور پر پائی جاتی ہیں۔اس لئے تمام مذاہب سچے ہیں۔لیکن پیروانِ مذہب سچائی سے منحرف ہو گئے ہیں۔اسلام کہتا ہے کہ اگر وہ اپنی فراموش کردہ سچائی ازسرِنو اختیار کر لیں تو میرا کام پورا ہو گیا۔یہ فراموش کردہ سچائی کیا ہے؟ ایک خدا کی پرستش اور نیک عمل کی زندگی۔یہ کسی ایک گروہ کی میراث نہیں کہ اس کے سوا کسی انسان کو نہ ملی ہو۔یہ تمام مذاہب میں یکساں طور پر موجود ہے۔

پرویز علیہ الرحمتہ کی بصیرتِ قرآنی کے مطابق یہ نظریہ اسلام کو اس کی جڑ بنیاد سے اکھیڑ کر رکھ دیتا ہے۔یہ برہمو سماج کی تعلیم تو ہو سکتی ہے قرآن کی نہیں۔اس لئے آپ نے اس کی تردید میں ایک تفصیلی مقالہ لکھا جو ماہنامہ معارف (اعظم گڑھ) کی جنوری ۱۹۳۳ء کی اشاعت میں شائع ہوا۔

اس زمانے میں ابوالکلام آزاد کی شہرت ثریا پہنچی ہوئی تھی۔وہ قلم اور زبان کے بادشاہ اور علم کے سمندر سمجھے جاتے تھے۔علماء کی صف میں وہ امام الہند قرار دیئے جاتے تھے۔ان کی پیش کردہ تفسیر کی مخالفت اور وہ بھی ایک ''غیر مولوی'' کی طرف سے کسی کے حیطۂ تصور میں بھی نہیں آ سکتی تھی۔لیکن یہ علامہ پرویزؒ کی جرأتِ ایمانی تھی کہ آپ نے سب سے پہلے اس تفسیر پر اپنی تنقید شائع کی۔

۱۹۲۶ء میں ریاست بہاولپور کی ایک عدالت میں ایک مسلمان خاتون نے دعویٰ دائر کیا کہ اس کا خاوند قادیانی مسلک اختیار کرنے سے مرتد ہو گیا ہے۔لہٰذا اس شخص سے مدعیہ کا نکاح فسخ قرار دیا جائے۔یہ مقدمہ قریب نو سال تک زیرِ سماعت رہا اور آخر الامر محمد اکبر صاحب (مرحوم) ڈسٹرکٹ جج بہاولنگر نے ۷ فروری ۱۹۳۵ء کو اس کا فیصلہ سنا دیا۔یہ فیصلہ پرویزؒ کے ایک مضمون ''میکانکی اسلام'' میں ضمناً بیان کردہ نبی کی تعریف کی بنیاد پر سنایا گیا تھا۔جس کا ذکر فاضل جج نے اپنے فیصلہ میں بالوضاحت کیا تھا۔اس طرح قادیانیوں کو پہلی بار کافر قرار دینے کی علمی بنیاد پرویزؒ کی فراہم کردہ تھی۔بعد میں آپ نے اس موضوع پر ایک کتاب ''ختم نبوت اور تحریکِ احمدیت'' ۱۹۷۴ء میں شائع کی۔

علامہ اقبالؒ کے خاکہ کے مطابق جناب پرویزؒ نے سلسلہ ''معارف القرآن'' کی ابتدا ۱۹۲۸ء میں کی۔پہلی جلد کا عنوان تھا۔''اللہ'' جو بعد میں ''من و یزداں'' کے نام سے شائع ہوئی۔پھر ''ابلیس و آدم'' تحریر کی جس میں آدم۔ابلیس۔ملائکہ۔جن۔شیطان۔وحی۔رسالت وغیرہ عنوانات پر قرآنی تصریحات پیش کی گئیں۔معارف القرآن کی تیسری جلد ''جوئے

نور''۔ چوتھی جلد ''برقِ طور'' اور پانچویں جلد ''شعلہ مستور'' حضرت نوحؑ سے حضرت عیسیٰؑ تک انبیاء کرامؑ کے حالاتِ زندگی کو محیط ہیں۔ پھر نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سیرت طیبہ۔ بعنوان ''معراجِ انسانیت'' شائع کی۔ وحی کی ضرورت اور اہمیت اجاگر کرنے کے لئے ڈھائی ہزار سال کی فکری کاوشوں کا نچوڑ۔ ''انسان نے کیا سوچا'' کے عنوان سے ایک کتاب میں پیش کیا۔ جس کو پڑھنے سے یہ حقیقت ابھر اور نکھر کر سامنے آ جاتی ہے کہ عقل انسانی۔ انسانی مسائل کو حل کرنے میں کس طرح ناکام رہی ہے اور پھر یہ بتانے کے لئے کہ وحی کی رو سے انسانی مسائل کا حل کیا ہے آپؒ نے ایک کتاب بعنوان ''اسلام کیا ہے؟'' شائع کی۔ معاشی مسئلہ ہمارے دور کا اہم ترین مسئلہ شمار ہوتا ہے۔ معاشی نظریات کی بنیاد پر دنیا دو بڑے بلاکس میں منقسم ہے۔ اس مسئلہ کے قرآنی حل کو پیش کرنے کے لئے آپ نے متعدد تقاریر کیں اور مضامین شائع کئے جن میں سے کچھ ''خدا اور سرمایہ دار'' نامی کتاب کی شکل میں شائع ہوئے۔ اس کے علاوہ ایک مبسوط تصنیف ''نظام ربوبیت'' شائع کی۔

تقدیر کا مسئلہ صدیوں سے الجھا چلا آ رہا ہے۔ اس مسئلہ کو قرآن کی روشنی میں حل کرنے کے لئے آپؒ نے ''کتاب التقدیر'' تحریر کی۔ آخرت کے متعلق قرآنی توضیحات کو ایک کتاب بعنوان ''جہان فردا'' میں شائع کیا اور اس طرح قریب چالیس سال کی محنتِ شاقہ سے سلسلہ معارف القرآن کو تکمیل تک پہنچایا۔

علامہ احمد امین مصری (مرحوم) نے اپنی کتاب فجر الاسلام میں بڑی تفصیل کے ساتھ بتایا ہے کہ دیگر قوموں کے تصورات کس طرح رفتہ رفتہ مسلمانوں پر اثر انداز ہوتے گئے اور یوں قرآن کے تصورات کی جگہ غیر قوموں کے تصورات نے لے لی۔ چنانچہ آج جسے مذہبِ اسلام کہا جاتا ہے یہ مجموعہ ہے مختلف قوموں سے مستعار تصورات کا جن پر لیبل قرآنی اصطلاحات کا لگا دیا گیا ہے۔ ان تصورات سے اور تو اور عربی زبان بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی تھی کہ قرآن حکیم کے الفاظ کا کوئی ایسا لغت مرتب کیا جائے جس میں نہ صرف الفاظ کے وہ معنی دیئے جائیں جو زمانہ نزولِ قرآن میں رائج تھے۔ بلکہ ان الفاظ کے پس منظر میں قرآنی تصورات کی بھی وضاحت کی جائے۔۔۔ یہ کام ایک آدمی کے کرنے کا نہ تھا' لیکن اگر انسانوں کی ایسی جماعت موجود نہ ہو تو؟ جناب پرویز ہمت ہارنے والے نہ تھے چنانچہ آپ نے چار جلدوں میں ایک ایسا لغت تیار کر دیا جس کی تیاری میں اپنی قرآنی بصیرت کے علاوہ قریب پچاس عربی لغت حوالے کے لئے استعمال کئے۔

سلسلۂ معارف القرآن اور لغات القرآن کے علاوہ جناب پرویزؒ نے ''مفہوم القرآن'' تین جلدوں میں مرتب کیا۔ قریب ڈھائی ہزار عنوانات کے تحت قرآنی مضامین کو مرتب کر کے ''تبویب القرآن'' شائع کی اور سلیم کے نام خطوط (تین جلدوں میں) اور ''طاہرہ کے نام خطوط'' قرآنی تعلیمات پر مشتمل ادب پارے ہیں۔ کم تعلیم یافتہ لوگوں کے لئے اسلامی معاشرت اور پھر قرآن کے بیان کردہ قوانین۔ بعنوان ''قرآنی قوانین'' اور انگریزی زبان میں کتاب۔۔۔ Islam a Challenge to Religion اس پر مستزاد ہیں۔ غرض کس کس کاوش کا ذکر کیا جائے۔

ان علمی کارناموں کو سرانجام دینے کے علاوہ آپ نے تحریک پاکستان میں بھی بھرپور حصہ لیا۔ قائداعظمؒ کے ارشاد کے مطابق دہلی سے ماہنامہ طلوع اسلام جاری کیا جو اپنے پہلے دور میں اپریل ۱۹۳۸ء سے مئی ۱۹۴۲ء تک باقاعدگی سے شائع ہوتا رہا اور اس کے ذریعے آپ نے تحریک پاکستان کے مخالف نیشنلسٹ علماء کے مقابلے میں قلمی جہاد کیا۔ اس دور میں یہ واحد جریدہ تھا جس نے تحریک پاکستان کے دینی پہلو کو اجاگر کیا اور بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ تحریک پاکستان کی صحیح اور مکمل تاریخ طلوع اسلام کے اس دور کے فائل کے بغیر مرتب نہیں کی جا سکتی۔

قائداعظمؒ پروٹوکول کے بڑی سختی سے پابند تھے۔ انہیں کوئی شخص پیشگی وقت لئے بغیر نہیں مل سکتا تھا لیکن یہ شرف جناب پرویزؒ کو حاصل تھا کہ آپؒ کسی بھی وقت قائداعظمؒ سے ملاقات کر سکتے تھے۔ باوجود اتنے قریب ہونے کے جناب پرویزؒ نے کبھی اس بات کو فخریہ بیان نہیں کیا اور نہ ہی پاکستان بن جانے پر کوئی مراعات حاصل کیں۔

پاکستان بن جانے کے بعد جنوری ۱۹۴۸ء میں آپؒ نے دوبارہ طلوع اسلام شائع کرنا شروع کیا۔ جو باقاعدگی سے تاحال جاری ہے۔ پاکستان بن جانے کے بعد پاکستان کے دشمن عناصر بھی یہاں ہجوم کر کے آ گئے اور یہاں آ کر پر پرزے نکالنے لگے۔ اب ان کے پیش نظر مقصد یہ تھا کہ ان کی مخالفت کے علی الرغم اگر پاکستان بن ہی گیا ہے تو اس میں وہ نظام نہ رائج ہونے دیا جائے جس کے لئے اسے حاصل کیا گیا تھا۔ وہ اسلام کی آڑ میں یہاں تھیاکریسی رائج کرنے کی کوششیں کرنے لگے۔ اب دوبارہ جناب پرویزؒ کو ان کے خلاف قلمی جہاد کرنا پڑا۔ قرارداد مقاصد اور علماء کے بائس نکات اسی سلسلہ کی کڑیاں ہیں جن پر جناب پرویزؒ نے تفصیلی تنقید کی۔ آپؒ نے تفصیلاً بتایا کہ جسے علماء سنت کہتے ہیں وہ نہ تو متفق علیہ ہے کہ اس کی رو سے کوئی متفق علیہ قانون مرتب کیا جا سکے۔ علماء کا سنت پر اس قدر زور دینا محض اس لئے ہے کہ یہاں قرآنی نظام رائج نہ کیا جا سکے۔ مخالفین سے آپؒ کے پرزور دلائل کا جواب تو بن نہ پڑا انہوں نے آپؒ کے خلاف فتویٰ کفر دے دیا جس پر ایک ہزار علماء کے دستخط ثبت تھے۔

۱۵ اکتوبر ۱۹۸۵ء کو آپ نے آخری بار درسِ قرآن دیا اور اس کے بعد مسلسل بستر علالت پر رہے اور ۲۴ فروری ۱۹۸۵ء کو شام چھ بجے آپؒ اس دار فانی سے انتقال فرما گئے۔

کل من علیھا فان o و یبقیٰ وجہ ربک ذوالجلال والاکرم o (55:26-27)

اللہ تعالیٰ جناب علامہ پرویزؒ کو اپنے سحابِ کرم سے نوازے۔ آمین

کون جانے اس پائے کی شخصیت پھر کب پیدا ہوتی ہے۔

کیونکہ

عمر ہا در کعبہ و بت خانہ می نالد حیات
تاز بزمِ عشق یک دانائے راز آید بروں

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید اقبال ظفر علوی

ذکرِ پرویزؒ

پرویز مرحوم علمی اور دینی حلقوں میں کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ آپ ادارہ طلوع اسلام کے بانی تھے۔ آپ نے قائداعظمؒ کے ایماء پر ۱۹۳۸ء میں ''طلوع اسلام'' رسالے کا اجراء کیا۔ اس کا مقصد تحریکِ پاکستان اور دوقومی نظریے کی تائید وحمایت کرنا اور اس کے مخالفین کا مقابلہ کرنا تھا۔ اس روز سے لے کر مرتے دم تک پرویز صاحب دوقومی نظریے کی تشریح اور اسلام کی تبلیغ میں ہمہ تن مصروف رہے۔ علاوہ ازیں آپ کو نہ صرف یہ کہ علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ دونوں سے قرب حاصل رہا۔۔۔ بلکہ آپ ان چند خوش نصیب لوگوں میں سے تھے جو قائداعظمؒ سے وقت (Appointment) لئے بغیر مل سکتے تھے۔[1]

تحریکِ پاکستان کے ایک سرگرم کارکن ہونے کے علاوہ آپ ایک جید عالم دین اور نامور مفکر بھی تھے۔ آپ نے اسلام پر پچاس سے زائد کتب تصنیف کیں۔ پرویز صاحب کی تمام تر دیدہ ریزیوں اور جگرسوزیوں کا نقطۂ ماسکہ یہ تھا کہ اسلام ایک مذہب نہیں بلکہ دین ہے۔ مذہب' انسان اور خدا کے درمیان محض ایک نجی تعلق کا نام ہے اور اس کو عملی زندگی اور اس میں درپیش مسائل سے کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ بڑی حد تک یہ رسوم کا مجموعہ ہوتا ہے۔۔۔ اس کے برعکس دین ایک نظامِ حیات کا نام ہے۔ یہ زندگی کے تمام شعبوں کو محیط ہے۔ خواہ مسائل سیاسی ہوں' معاشرتی ہوں یا معاشی ہوں یہ ان تمام کا حل پیش کرتا ہے۔ اور یہی چیز اسلام کو دیگر مذاہب عالم سے ممتاز کرتی ہے۔ دین اسلام کی کوئی بھی ایسی تعبیر وتشریح جو ان مسائل کو حل کرنے میں ناکام ہو جائے' اس دین کو مذہب بنا دینے کے مترادف ہے۔ نماز' روزہ' زکوٰۃ حج' یہ تمام چیزیں رسوم نہیں کہ ان کو صرف ظاہراً ادا کر دیا جائے تو دین کا مدعا پورا ہو جائے گا۔ بلکہ ان ارکان کی غرض و غایت اصل چیز ہے۔ یہ ظاہری اعمال ضروری ہیں لیکن مقصود بالذات نہیں بلکہ کسی ارفع مقصد کی تکمیل کا ذریعہ ہیں۔۔۔ اگر غرض وغایت باقی نہ رہے تو اسلام رسوم کا گہوارہ بن جائے گا۔ دین کی بجائے مذہب بن جائے گا۔ مثلاً صلوٰۃ کا مقصد مسلمانوں میں اتحاد' مساوات اور یک رنگی پیدا کرنا اور تفرقے کو مٹانا ہے۔ نیز اس چیز کا اقرار کرنا ہے کہ ہم عملی زندگی میں بھی اللہ کے احکام وقوانین کی اطاعت کریں گے۔ سجدہ ورکوع اسی چیز کے مظہر ہیں' غرض' نماز اطاعتِ خداوندی کی سمٹی ہوئی شکل (Minature Form) ہے۔ اگر عملی زندگی میں قوانینِ خداوندی کا اتباع نہیں کیا جاتا تو یہی نماز رسم بن کر رہ جاتی ہے۔

اسی طرح ان کا کہنا تھا کہ زکوٰۃ کی کوئی بھی ایسی تعبیر و تشریح جو لوگوں کے معاشی مسائل حل کرنے سے قاصر رہے' صحیح نہیں ہوسکتی۔ آپ نے عمر بھر اسلامی حکومت کی معاشی ذمہ داریوں پر ازحد زور دیا۔ آپ کہا کرتے تھے کہ عوام کی معاشی کفالت اسلامی حکومت کی صرف ایک خاصیت ہی نہیں بلکہ یہ اسلامی حکومت کا طرۂ امتیاز ہے۔ پرویز صاحب عمر بھر قرآنِ پاک' سیرتِ رسول ﷺ اور آثارِ صحابہؓ کے ذریعے اس معاشی ذمہ داری کی بھرپور تشریح کرتے رہے۔ آپ نے سیرتِ فاروقؓ پر ایک قابل رشک کتاب ''شاہکار رسالت'' تصنیف فرمائی جس میں انتہائی رعنائی کے ساتھ حضرت عمر فاروقؓ کے طرزِ حکومت کے ذریعے اسلامی مملکت کی معاشی اور دیگر ذمہ داریوں کو اجاگر کیا گیا ہے۔

دین کے فہم کے سلسلے میں پرویز صاحب' علامہ اقبالؒ سے بے حد متاثر ہوئے۔ آپ اقبالؒ کو اپنا عظیم محسن سمجھتے تھے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ پرویز صاحب اقبالؒ کے مستند شارح کی حیثیت

[1] یہ بات قائداعظمؒ محمد علی جناح کے صد سالہ جشن و پیدائش کے سلسلے میں مولانا کوثر نیازی نے قومی اسمبلی میں تقریر کرتے ہوئے کہی تھی اور یہ بات اگلے روز اخبارات میں بھی آ گئی تھی۔

رکھتے تھے۔ اس سلسلے میں آپ کی کتاب ''اقبال اور قرآن'' ایک زندۂ جاوید شاہکار ہے اور اس کی توصیف کے لئے میں اپنی زبان کو عاجز پاتا ہوں کہ محض ستائش کے الفاظ اس کتاب کے حسن کی کماحقہ عکاسی نہیں کر سکتے۔ پرویز صاحب جہاں فکر قرآنی کا ذکر کرتے۔ وہاں اقبالؒ کا ذکر ضرور آتا۔ اور جہاں اقبال کا ذکر آتا وہاں قرآن کا ذکر ضرور ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ فکر اقبالؒ کا سرچشمہ قرآن تھا اور اقبال کو وہی سمجھ سکتا ہے جو قرآن پر گہری نظر رکھتا ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے نظریات میں بے حد مماثلت پائی جاتی ہے۔

اگر آپ علامہ اقبالؒ اور پرویز صاحب کے' قوانین سازی' معاشی نظام اور تقدیر کے بارے میں نظریات کو یک نظر دیکھیں تو آپ کو خود ہی معلوم ہو جائے گا کہ دونوں کے خیالات میں کس قدر اشتراک پایا جاتا ہے۔۔۔ اس کی وجہ فقط اور فقط یہ ہے کہ ان دونوں کی فکر کا سرچشمہ قرآن تھا.....۔

یہاں ایک اور گوشے کی طرف توجہ دلانا ناگزیر ہے۔ وہ یہ کہ باوجود اس کے کہ اقبالؒ سے پرویز صاحب کو والہانہ عقیدت و محبت تھی۔ ان سے گہرا ذہنی اور قلبی لگاؤ تھا۔ جہاں بھی انہوں نے محسوس کیا کہ اقبالؒ کی فلاں بات خلاف قرآن ہے' آپ نے نہ صرف اس سے اختلاف کیا بلکہ اس پر بھرپور تنقید بھی کی۔ کیونکہ ان کے نزدیک دین میں کسی انسان کو سند و حجت حاصل نہیں ہے۔ اقبالؒ بھی بالآخر انسان تھے وہ غلطی کر سکتے تھے۔ پرویز صاحب نے تصوف کے موضوع پر ایک کتاب ''تصوف کی حقیقت'' تصنیف کی جس میں انہوں نے باقاعدہ ایک باب ''اقبالؒ اور تصوف کے عنوان سے مختص کیا ہے۔ اس باب میں اقبالؒ کے کچھ اشعار و خیالات پر سخت تنقید کی گئی ہے۔ یاد رہے کہ تصوف کے متعلق اقبالؒ کے نظریات ہمیشہ ہی متنازعہ رہے ہیں۔ کسی زمانے میں وہ تصوف کے دلدادہ تھے۔ پھر ایک زمانہ آیا کہ وہ اس کو مسلمانوں کے زوال کا سبب سمجھنے لگے۔ اسی زمانے میں انہوں نے ''تصوف شعبدہ بازیوں کی کمنڈ'' جیسا مضمون تحریر کیا اس کے علاوہ وہ تصوف کو اسلام کی سرزمین میں ''اجنبی پودا'' کہا کرتے تھے اور اس کے بعد عمر کے آخری حصے میں پھر اسی طرف آ گئے..... بہرحال یہ پرویز صاحب کی دیانتداری کی دلیل ہے کہ انہوں نے اگر اقبالؒ کی بات بھی غلط سمجھی تو اس پر بلا جھجک تنقید کی۔

پرویز صاحب تمام عقائد و نظریات کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھنے کے قائل تھے۔ بعض سطح بیں لوگ اس کو انکار حدیث پر محمول کر لیتے ہیں۔ لیکن ایسا سمجھنا درست نہیں۔ اصل حقیقت یوں ہے کہ نظریات و عقائد تو قرآن ہی کے عطا کردہ ہیں' حضور پاک ﷺ یا صحابہ کرامؓ نے کوئی نیا نظریہ یا عقیدہ امت کو نہیں دیا بلکہ قرآن ہی کے عطا فرمودہ نظریات' عقائد و احکام کی تشریح کی ہے۔ آپ نے احادیث اور مسلمانوں کی تاریخ کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھا اور ایسی ہر روایت اور بیان کو وضعی قرار دیا جو قرآن کریم کے خلاف جاتا ہو یا جس سے ذات رسالت مآب ﷺ یا حضرات صحابہ کرامؓ کی ذات پر طعن وارد ہوتا ہو۔ جو روایات نہ قرآن کے خلاف ہیں اور نہ ہی ان سے حضور ﷺ کی سیرت مقدسہ پر کسی قسم کا حرف آتا ہے' انہیں وہ صحیح مانتے تھے۔ اس بات کی شہادت ان کی تمام کتابوں میں ملتی ہے۔ تحقیق کی خاطر ''شاہکار رسالت'' ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

پرویز صاحب کہا کرتے تھے کہ دین کا مقصد یہ ہے کہ وہ انسانوں کو دوسرے انسانوں کی محکومی سے چھڑا کر ان سے خالص قوانین خداوندی کی اطاعت کرائے۔ قوانین کی یہ اطاعت ایک نظام مملکت کی رو سے ہو سکتی ہے اس کے بغیر دین متمکن نہیں ہو سکتا۔ رسول اللہ ﷺ نے سب سے پہلے دین کا یہ نظام قائم فرمایا۔ اس نظام میں قرآن کریم کے احکام و قوانین کی اطاعت کرائی جاتی تھی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے امور مملکت امت کے مشورہ سے سرانجام پاتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کے بعد دین کا یہ نظام حضورؐ کے خلفائے راشدین نے جاری رکھا۔ اس میں امور مملکت سرانجام پانے کا وہی طریقہ تھا جو رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں رائج تھا۔ بدقسمتی سے خلافت علیٰ منہاج رسالت کا یہ سلسلہ کچھ عرصہ کے بعد

منقطع ہوگیا اور دین کا نظام باقی نہ رہا۔ ہمارے لئے کرنے کا کام یہ ہے کہ پھر سے خلافت علیٰ منہاجِ رسالت کا سلسلہ قائم کیا جائے۔ آج اگر ایسی خلافت یا اسلامی حکومت قائم ہو تو اس کے پیش نظر بھی قانون سازی کا وہی اصول ہوگا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم والذین معہٗ کے زمانہ میں رائج تھا۔ یعنی وہ احکام و قوانین جو قرآن کریم میں مذکور ہیں ان کی اطاعت کرائی جائے گی اور جن امور میں قرآن کریم نے صرف اصول دیئے ہیں ان کی جزئیات قرآنی اصولوں کی چار دیواری کے اندر رہتے ہوئے ملت کے مشورہ سے طے کی جائیں گی۔ اس سلسلے میں حضور پاکؐ یا خلفائے راشدینؓ کے دور کے وہ فیصلے یا جزئیات جو اس زمانے کے حالات سے مشروط تھیں، خلافت علیٰ منہاج نبوت انہیں وقت کے تقاضوں کے مطابق تبدیل کر سکتی ہے، لیکن یاد رہے کہ ایسا کرتے وقت قوانین کی روح تو بدستور قائم رہے گی۔ صرف جزئیات تبدیل ہوں گی۔ بالفاظ دیگر قوانین اسلام میں قانون ثبات وتغیر Law of Permanence and change کارفرما ہوگا۔ جس میں ثبات اصولوں کو حاصل ہوگا اور تبدل جزئیات کو۔ اس کے علاوہ اسلامی حکومت، قرآن اور پچھلے دور میں کئے گئے فیصلوں کو پیش نظر رکھتے ہوئے نئے فیصلے بھی کر سکتی ہے..... نئے قوانین مرتب کر سکتی ہے۔ آپ اس کی تائید میں حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت کو بطور مثال پیش کیا کرتے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ نے حضور پاکؐ کے دور میں کئے گئے فیصلوں کو برقرار رکھا لیکن ساتھ ہی جن فیصلوں کو زمانے کے تقاضوں کے مطابق بدلنا پڑا انہیں بدلا۔ نیز کئی نئے اقدامات کئے۔ اس اجمال کی تفصیل ''شاہکار رسالت'' میں ص ۲۸۰۔۲۷۷ پر ملے گی۔ پرویز صاحب کہا کرتے تھے کہ صرف اسی طرح اسلام تمام زمانوں کے لئے دین کہلا سکتا ہے اور دنیا میں نافذ ہو سکتا ہے۔ اگر ہم نے کسی زمانے میں طے کردہ جزئیات کو ناقابل تغیر سمجھ لیا تو اسلام کبھی بھی اس دنیا میں عملاً نافذ نہ ہو سکے گا۔ بطور سند تو نہیں لیکن اطلاعاً عرض ہے کہ اقبالؒ کا بھی یہی نقطۂ نظر تھا۔ ملاحظہ ہو ''خطبات اقبال'' (ص ۱۶۴۔۱۶۳)۔

میں اس حقیقت کا ایک مرتبہ پھر اعادہ کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ موضوع زیر بحث شدت سے اس کا متقاضی ہے کہ پرویز صاحب قطعاً منکر حدیث یا منکر شان رسالت نہیں تھے۔ انہوں نے کبھی بھی یہ نہیں کہا کہ یہ سارا سرمایہ بیکار ہے اور وہ ہر اس حدیث کو صحیح سمجھتے تھے جو قرآن کریم کے مطابق ہو یا جس سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابۂ کبارؓ کی سیرت داغدار نہ ہوتی ہو۔ آپ نے اپنی کتب میں جا بجا احادیث نقل فرمائی ہیں اور ان سے استدلال کیا ہے۔ پرویز صاحب نے حضور پاکؐ کی سیرت پر گرانقدر کتاب ''معراج انسانیت'' تحریر فرمائی ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ کو حضور پاکؐ سے کس قدر محبت تھی۔ اس کتاب میں آپ نے جا بجا احادیث تحریر فرمائی ہیں۔

میں پرویز صاحب کے سلسلے میں آپ کی توجہ ایک ایسے پہلو کی طرف مبذول کراؤں گا کہ آپ حیران و ششدر رہ جائیں گے کہ پرویز صاحب کو رسول پاکؐ سے قلبی لگاؤ کس نوعیت کا تھا۔ ''شاہکار رسالت'' کے آغاز میں آپ نے ایک مختصر سا باب ''گذرگاہ خیال'' کے نام سے تحریر کیا ہے۔ اس میں آپ نے اپنی ابتدائی زندگی کا ہلکا سا خاکہ پیش کیا ہے۔ اس میں پرویز صاحب لکھتے ہیں کہ جب انہوں نے اسلام کا مطالعہ کیا تو اس میں اس قدر غیر اسلامی نظریات و افکار کی بھرمار تھی کہ ان کے دل میں اسلام کے متعلق شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے اور جب آپ نے مزید مطالعہ کیا تو جوان پر گذری وہ پرویز صاحب ہی کی زبانی سنئے:

''ان حالات میں عین ممکن تھا کہ میں اسلام سے برگشتہ ہو جاتا لیکن میری انتہائی خوش بختی کہ اس ورطۂ ''لا'' میں ایسا جاذبہ موجود رہا جو ان تلاطم خیزیوں میں میری کشتی کا لنگر بن گیا اور وہ جاذبہ تھا حضور نبی اکرمؐ کی ذاتِ اقدس و اعظم کے ساتھ میری بے پناہ عقیدت ہی نہیں محبت۔ میرا ایمان تھا کہ ایسی عظیم ہستی جس نے انسانوں کی داخلی اور خارجی دنیا میں ایسا تحیر انگیز انقلاب برپا کر دیا تھا نہ تو (معاذ اللہ)

فریب خوردہ ہو سکتی ہے نہ فریب کار۔ اس لئے جب آپ نے فرمایا ہے کہ قرآن مجید نہ میری نہ کسی اور انسان کی فکری تخلیق ہے بلکہ یہ خدا کا کلام ہے تو مجھے اس دعوے کو یونہی نہیں جھٹک دینا چاہئے۔ انتظار کرنا چاہئے تا آنکہ میں قرآن کو خود سمجھنے کے قابل ہو جاؤں۔ بس یہ تھا ایک سہارا (اور کس قدر محکم سہارا) جس نے مجھے ان طوفانوں میں تھامے رکھا اور میرے پاؤں میں لغزش نہ آنے دی۔ حقیقت یہ ہے کہ اس سے کم کشش کی کوئی قوت مجھے اس ورطہ میں سنبھال نہیں سکتی تھی۔ سچ ہے:

تند و سبک سیر ہے گرچہ زمانے کی رَو
عشق خود اک سیل ہے سیل کو لیتا ہے تھام

کس قدر احسانِ عظیم ہے اس ذرۂ ناچیز پر اس آفتابِ عالمتاب کا' جس کی رحمۃ للعالمینی کے تصدق مجھے منزل ملی' مقام ملا' مدعا ملا.....''

کوثر چکد ازلبم' بایں تشنہ لبی
خاور دمداز شمم' بایں تیرہ شبی
اے دوست ادب' کہ درحریم دلِ ماست
شاہنشہِ انبیاءؑ رسولِ عربیؐ

ان اللہ و ملٰئکتہ یصلون علی النبی۔ یایھا الذین امنوا صلوا علیہ وسلموا تسلیما (33:56)۔''

یہ تھی کیفیت پرویز صاحب کے حُبِّ رسول کی۔ اس سے بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ حقیقت اور پروپیگنڈے میں کسقدر فرق ہے۔

پرویز صاحب نے اپنے خلاف برپا کئے جانے والے تمام طوفانوں کا مردانہ وار مقابلہ کیا۔ یہ آپ کا عزم و استقلال تھا کہ آپ آخری سانس تک اسلام کی خدمت کرتے رہے۔ ان کے عزم و ہمت کا اندازہ وہ لوگ اچھی طرح کر سکتے ہیں جو ان سے اسی (۸۰) سال کی عمر میں ملے ہوں یا اس دور کی کوئی تقریر انہوں نے سنی ہو۔ ان کی آواز' اندازِ گفتگو اور یادداشت کو دیکھ کر کوئی شخص یہ یقین کر ہی نہیں سکتا تھا کہ آپ کی اتنی زیادہ عمر ہے۔

۱۴ اگست ۱۹۸۴ء یوم آزادی کے موقع پر میں پرویز کی تقریر سننے گیا تو وہ اس وقت بیمار تھے۔ کیا دیکھتا ہوں کہ یکا یک کمرے کا دروازہ کھلتا ہے' اس میں سے ایک انتہائی ضعیف انسان نکلتا ہے۔ اس کو دو آدمیوں نے سہارا دے رکھا ہے۔ وہ بمشکل تمام کرسی تک پہنچتے ہیں......کمزوری بیان سے باہر ہے۔ لگتا نہیں تھا کہ تقریر تو کجا چند منٹ بول بھی سکیں گے......لیکن نہیں......تقریر شروع ہوتی ہے......چیخنا چلانا نہیں ہے......شور شرابا نہیں ہے...... جوں جوں وقت گذرتا جارہا تھا نہ جانے ہمیں کیا ہوتا جارہا تھا۔ وہی دھیما انداز......ٹھہر ٹھہر کر بولنا......حضرتِ عمر فاروقؓ کے وہی کارنامے جو ہم ہمیشہ سے سنتے چلے آرہے تھے لیکن نہ جانے کیا تاثیر تھی ان کے الفاظ میں......ان کے قلب سے پھوٹنے والی وہ کون سی شعائیں تھیں جو ہمارے قلوب میں تیر کی مانند چبھتی جارہی تھیں......کیا بتاؤں کیوں ہم پر رقت طاری ہوتی جارہی تھی......کچھ معلوم نہیں کوئی پتا نہیں......ابھی محفل پر رنگ آنے لگا تھا کہ کچھ لوگوں کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ پرویز صاحب عرصۂ دراز تک قرآن پاک کا درس دیتے رہے اور درس دیتے وقت آپ پر اکثر رقت طاری ہو جایا کرتی تھی اور جب آپ آنسو برداشت کرنے کی کوشش کرتے تو آپ کا چہرہ سرخ ہو جاتا اور یہ چیز آپ کے باوقار چہرے کو مزید دلکش اور متاثر کن بنا دیتی تھی اور آپ کی بات تیر کی مانند دل میں اتر جاتی۔

پرویز صاحب نے اپنی ساری عمر جس کوہ کنی' جوئے شیر براری اور خارہ شگافی میں گزار دی آپ اس کے لئے جس انعام و صلے کے متمنی تھے' اسے انہی کی زبانی سن لیجئے:

''اگر میری ان کوششوں سے چند نفوس بھی ایسے پیدا ہو گئے جن کے دل میں قرآن کی راہنمائی کا یقین علیٰ وجہ البصیرت ابھر آیا تو میں سمجھوں گا کہ مجھے میری دیدہ ریزیوں اور جگرسوزیوں کا صلہ مل گیا۔''
(انسان نے کیا سوچا' ص۱۰)۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(محترم ایس۔ این۔ باقر صاحب' سابقہ نائب معتمد امور داخلیہ کی ایک تقریر)

اسلام نے دنیا کو کیا دیا؟

(شعبۂ فلسفہ میں)

جن مشاہیرِ سلف کے نقوشِ قدم' تاریخ کی ریگِ رواں پر' مثلِ کہکشاں درخشندہ ہیں ان میں اربابِ فکر (فلاسفرز) کا مقام بھی کچھ کم بلند نہیں۔ اسلام نے جہاں دنیا کو دیگر علوم وفنون کی برکات سے اس قدر بہرہ یاب کیا' فلسفہ کے میدان میں اس کی موہبات بھی بہت گراں قدر ہیں۔ اگرچہ عام جہالت اور مذہبی تعصب کی وجہ سے' دنیا نے اسلام کی اس احسان مندی کا اعتراف بہت کم کیا ہے۔ لیکن اب اس جہالت اور تعصب کے بادل چھٹ رہے ہیں اور رفتہ رفتہ حقیقت بے نقاب ہو کر سامنے آ رہی ہے۔

اقوام عالم کی تاریخ میں ہوتا یہ رہا ہے کہ کبھی کبھی کچھ افراد ابھر کر سامنے آ گئے جنہوں نے محض اپنی افتادِ طبیعت کی بنا پر فلسفیانہ مباحث پر غور وخوض شروع کر دیا اور اس طرح وہ دنیا کی فکری متاع میں کچھ اضافہ کر گئے۔ یہ نہیں ہوا کہ ان کی قومی ثقافت ان کی فکری کاوشوں کے لئے محرک بن گئی ہو۔ لیکن مسلمانوں میں فلسفیانہ نہجِ فکر کی نشوونما بالکل جداگانہ انداز سے ہوتی ہے۔ ان کی فکری کاوشوں کا محرک خود ان کا آئین حیات (قرآن) تھا۔ بنیادی طور پر قرآن ایک ضابطۂ زندگی ہے جو نظریہ کی بجائے عمل پر زور دیتا ہے۔ لیکن یہ ضابطۂ زندگی علم وبصیرت پر مبنی ہے اور اس نے اپنی صداقت کے لئے استناجی معیار مقرر کیا ہے۔ یعنی وہ کہتا ہے کہ میری دعوت الی اللہ' علیٰ وجہ البصیرت ہے اور اس کی سچائی کا ثبوت اس کے نتائج ہیں۔ جب کسی قوم کے ضابطۂ زندگی کا یہ دعویٰ ہو کہ وہ علم وبصیرت پر مبنی ہے' تو اس قوم میں فکری نشوونما کا پیدا ہونا لازمی ہے۔ اسی کا نام فلسفیانہ کاوش ہے۔

اسلام کا ابتدائی دور' عمل کا دور تھا جس میں مجرد فکر کی گنجائش یا کم از کم ضرورت نہ تھی۔ اس وقت تو یہ حالت تھی کہ ادھر ایک حکم ملا اور ادھر قوم نے اس حکم کو عمل میں متشکل کر کے دکھا دیا۔ اس وقت اس کی نہ فرصت تھی نہ ضرورت کہ ان احکام کی فلسفیانہ توجیہات اور منطقیانہ تشریحات میں الجھا جاتا۔ قوم کے سامنے ایک بلند نصب العین تھا اور اس نصب العین کا حصول ہر ایک کا مطمحِ نگاہ۔ اس لئے اس وقت نظری مباحث کی کسی کو فرصت ہی نہ تھی۔

اکنوں کرا دماغ کہ پرسد زباغباں
بلبل چہ گفت و گل چہ شنید و صبا چہ کرد

مسلمانوں کی تاریخ میں مجرد فکر کی ابتداء' عباسیوں کے زمانہ سے ہوئی۔ ہوا یہ کہ اسلام کی سادہ اور پرعمل تعلیم کی کشش سے غیر مسلم فوج درفوج حصارِ اسلام میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ اس سے

یہودی' نصرانی اور مجوسی مذاہب کے اربابِ بست وکشاد کو بڑا خطرہ لاحق ہوا کہ اگر یہ افتاد اسی طرح جاری رہی تو ایک دن ان کے مذاہب کا وجود ہی صفحۂ ہستی سے مٹ جائے گا۔ وہ عمل کے میدان میں مسلمانوں کا مقابلہ کرنہیں سکتے تھے۔ اس حقیقت سے وہ اچھی طرح باخبر تھے۔ اس لئے انہوں نے ایک اور ترکیب سوچی۔ انہوں نے کہا کہ کسی طرح مسلمانوں کو نظری مباحث میں الجھا دیا جائے' اس سے ایک تو یہ ہوگا کہ ان کی توجہ عملی میدان سے ہٹ جائے گی اور دوسرے یہ کہ چونکہ نظری مباحث کا مدار منطق اور فلسفہ پر ہوگا اور مسلمان اس میدان کے شاہسوار نہیں' اس لئے ہم انہیں شکست پر شکست دیتے چلے جائیں گے۔ اسلامی سلطنت میں غیر مسلموں کو اپنے انداز پر سوچنے اور اپنی فکر کو بلا جھجک پیش کرنے کی آزادی تھی۔ اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا اور اسلام کے خلاف منطقیانہ اعتراضات شروع کر دیئے۔ خدا کی ذات کیسی ہے؟ اس کی ذات اور صفات میں کیا تعلق ہے۔ کیا خدا کائنات میں ہر جگہ موجود ہے یا عرش پر مکین ہے۔ روح کسے کہتے ہیں۔ ازل اور ابد سے کیا مفہوم ہے۔ وغیر ذالک' متکلمانہ مباحث کا دروازہ کھل گیا۔ شروع شروع میں تو مسلمانوں نے ان مباحث میں اجنبیت سی محسوس کی لیکن چونکہ غور وتدبر اور فکر وتعقل کی دعوت خود قرآن میں موجود تھی اس لئے انہیں اس میدان میں اترنے میں بھی چنداں دقت نہ ہوئی۔ اس زمانہ میں متکلمانہ مباحث کا ماخذ یونانی فلسفہ تھا۔ مسلمانوں نے سب سے پہلے اس فلسفہ کو عربی زبان میں منتقل کیا اور حقیقت یہ ہے کہ اگر فلسفہ کے میدان میں مسلمانوں کا کچھ اور ترکہ نہ بھی ہوتا تو بھی ان کا یہی کارنامہ کہ انہوں نے یونانی فکر کو عربی جیسی زبان میں منتقل کر دیا' بجائے خویش نہایت گراں ثمن تھا۔ لیکن فلسفۂ یونان کا عربی ترجمہ تو محض ایک ذریعہ تھا فلسفیانہ مباحث کے میدان میں اترنے کا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے ان غیر مسلم معترضین سے ان تمام امور پر بحث وتمحیص شروع کر دی۔ جس گروہ نے سب سے پہلے اس نہج پر گفتگو شروع کی وہ تاریخ میں معتزلہ کے نام سے معروف ہے۔ رفتہ رفتہ ہوا یہ کہ غیر مسلموں کے اعتراضات کو ختم کر کے' مسلمانوں نے خود آپس میں نظری مسائل کو متکلمانہ مباحث کا موضوع بنا لیا۔ مامون الرشید کے عہد میں اس فلسفیانہ انداز تکلم کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ خود مامون الرشید نے قرآن کے حدوث وقدم کی بحث اٹھائی۔ یعنی یہ بحث کہ قرآن مخلوق ہے یا ابدی۔ وہ (اور معتزلہ) ''خلقِ قرآن'' کے حامی تھے۔ چونکہ ان کی بحث زیادہ تر متکلمانہ تھی۔ اس لئے مسلمانوں کے دوسرے گروہ کو بھی' جو اس عقیدہ میں ان کے خلاف تھا' مجبوراً یہی انداز گفتگو اختیار کرنا پڑا۔ اس سے ''قدامت پسند'' طبقہ میں بھی فلسفیانہ نہج فکر کا رواج ہو گیا۔ یہی آگے چل کر اشعریہ کے نام سے معروف ہوئے۔

مسلمانوں میں فلسفیانہ غور وفکر کی ابتداء تو اس ضرورت کے ماتحت ہوئی لیکن آگے چل کر ان میں ایسے ایسے ممتاز فلاسفر پیدا ہو گئے جن کا شمار دنیائے فکر کے عمائدین میں ہوتا ہے۔ مثلاً ابو یوسف اسحٰق الکندری (پیدائش ۸۵۰ء) جس نے ارسطو کے فلسفہ کا عربی میں ترجمہ کیا۔ یا الفارابی (متوفی ۹۵۰ء) افلاطون اور ارسطو کے فلسفہ پر اس کا محاکمہ بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ الفارابی نے سب سے پہلے یہ نظریہ پیش کیا کہ ''زمان اس حرکت کا نام ہے جس سے اشیائے کائنات میں رابطہ قائم ہے۔'' الفارابی کا محاکمہ اور زمان کے متعلق یہ نظریہ صدیوں تک یورپ کی یونیورسٹیوں میں بطور نصاب رائج رہا۔ فارابی کے بعد شیخ ابن سینا کو دیکھئے

(۹۸۰ء۔۱۰۳۷ء)۔ اگرچہ شیخ کی شہرت کا خصوصی میدان، علمِ طب ہے لیکن فلسفہ کے میدان میں بھی اس کی تحقیقات کا مرتبہ ایسا بلند ہے کہ سترہویں صدی تک یورپ انہی کے نقوشِ قدم کا متبع رہا۔ بیکن، جو یورپ میں استقرائی علم کا موجد تصور کیا جاتا ہے، ابن سینا کی عظمت کا اعتراف ان الفاظ میں کرتا ہے۔

ارسطو کے فلسفہ کا معتد بہ حصہ اہل یورپ کی نگاہوں سے مستور رہا۔ یا تو اس لئے کہ اس کے مخطوطات نایاب تھے یا اس لئے کہ یہ موضوع سخت مشکل تھا۔ حتیٰ کہ ابن سینا اٹھا اور اس نے اس کا سارا فلسفہ دنیا کے سامنے پیش کر دیا۔

بغداد کی تباہی کے بعد مسلمانوں کی علمی کاوشوں کا مرکز ہسپانیہ کی طرف منتقل ہوگیا۔ اندلسی مفکرین میں ابن مسرہ (۸۸۳ء) کا نام السابقون الاولون میں ہے۔ دسویں صدی میں اس کا فلسفہ نہ صرف ہسپانیہ بلکہ فرانس اور اٹلی تک افقِ ذہنی پر چھایا ہوا تھا۔ اس کے بعد، ابن طفیل کو دیکھئے جس کی عظمت کسی تعارف کی محتاج نہیں اور پھر ابن رشد (۱۱۲۶۔۱۱۹۸ء) جسے اہلِ یورپ، کم از کم اٹھارہویں صدی تک فلسفہ کا امام تسلیم کرتے رہے ہیں۔ سنٹرل ایشیاء کے مفکرین میں امام غزالی (۱۰۵۸۔۱۱۰۹ء) کا نام بھی کسی سے پوشیدہ نہیں۔ امام غزالی فی الحقیقت بحر العلوم تھے۔ شروع میں یہ خود فلاسفر تھے لیکن آخری عمر میں انہوں نے وہی دلائل جو کبھی فلسفہ کے حق میں دیئے تھے، خود فلسفہ کے خلاف استعمال کئے اور ان کے زور پر تصوف اور دینیات کو بہت آگے بڑھایا۔

اس مختصر سی صحبت میں میرے لئے یہ ممکن نہیں کہ میں فلسفہ کے میدان میں مسلمانوں کی تمام کوششوں کا تفصیلی تذکرہ کر سکوں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میرے مقصود پیش نظر کے لئے اتنا ہی کافی ہوگا کہ میں اپنی گفتگو کا خاتمہ ایک ایسی شہادت پر کردوں جو یورپ میں نہایت وقیع سمجھی جاتی ہے۔ یہ شہادت ہے رابرٹ برفو کی جس کی کتاب ''تشکیل انسانیت'' مغربی مفکرین میں نہایت بلند مقام رکھتی ہے۔ وہ اس باب میں لکھتا ہے:

یورپ کی نشاۃ ثانیہ، پندرہویں صدی میں نہیں ہوئی بلکہ یہ درحقیقت رہینِ منت ہے عربی اور اندلسی اثرات کی۔ یورپ کی بعثت ثانیہ کا گہوارہ، اٹلی نہیں، ہسپانیہ ہے۔ جس وقت یورپ کی تہذیب، گرتے گرتے، وحشت و بربریت کی انتہائی گہرائیوں تک پہنچ چکی تھی، اس وقت تہذیب و تمدن کی تابناک شمعیں، بغداد، قرطبہ اور قاہرہ کی گلیوں میں روشن تھیں اور یہ شہر آنے والی تہذیب اور ثقافت کے مرکز بن رہے تھے۔ دنیا کی نئی زندگی نے انہی شہروں میں آنکھ کھولی۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اگر عرب نہ ہوتے تو یورپ کی موجودہ تہذیب کا کہیں وجود نہ ہوتا۔

تصریحاتِ بالا سے یہ حقیقت آپ کے سامنے آچکی ہوگی کہ اسلام کا ابتدائی دور، خالص عمل کا دور تھا۔ اس کے بعد وہ دور آیا جب عمل کے ساتھ فکر کا امتزاج ہوا۔ ازاں بعد تیسرا دور جس میں عمل ختم ہوگیا اور صرف فکر باقی رہ گئی اور اس کے بعد وہ دور جس میں نہ عمل رہا نہ فکر، قوم کے قوائے عملیہ معطل ہوگئے اور قوائے فکریہ مفلوج۔ ساری کی ساری قوم پر مدہوشی چھا گئی۔ لیکن اس کے بعد پستی کی ان مہیب تاریکیوں میں شعاعِ امید نمودار ہوئی جو دنیا میں فکرِ اقبال کے نام سے متعارف ہوئی کہ جس کی عظمت کے سامنے اہلِ یورپ نے اپنا سر جھکا دیا۔ اقبال نے ہمیں پھر فکر اور عمل کے اس امتزاج سے روشناس کرایا جو قرآن کی خصوصیت تھی۔ اس سے اب ایک نئی دنیا وجود میں آرہی ہے، جس میں انسانیت، قرآن کی روشنی میں نصب العین کی طرف بڑھتی چلی جائے گی۔

وذالک الفوز العظیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پروفیسر ثاقب علی

روشن خیال میانہ روی سرسید' اقبال اور جناح کا ورثہ

کم وبیش ساری اسلامی دنیا کو نو آبادی تسلط کا عذاب برداشت کرنا پڑا۔ ساری اسلامی دنیا نے اس تسلط کے خاتمے کے لئے دو طرح کے ردعمل ظاہر کئے ایک ردعمل پر تشدد مزاحمت کا تھا اور دوسرا ردعمل تشدد کے بغیر سیاسی تنظیم اور پرامن مزاحمت کا تھا۔ اس صورتحال کو مندرجہ ذیل گوشوارے سے سمجھا جا سکتا ہے۔ (۱) افغانستان' برطانیہ اور سویت یونین کے خلاف مسلح مزاحمت (۲) الجزائر' فرانس کے خلاف مسلح مزاحمت (۳) مصر' برطانیہ کے خلاف سیاسی مزاحمت (۴) سوڈان' مہدی سوڈانی کی برطانیہ کے خلاف مسلح مزاحمت (۵) اریٹیریا' ایتھوپیا کے تسلط کے خلاف مسلح مزاحمت (۶) انڈونیشیا' ڈچ تسلط کے خلاف مسلح مزاحمت (۷) ایران' کبھی براہ راست نو آبادیاتی تسلط نہیں رہا' (۸) عراق نے برطانوی تسلط سے مسلح مزاحمت کے بغیر آزادی حاصل کی اب امریکا برطانیہ کے تسلط کے خلاف لڑ رہا ہے (۹) فلسطین' اسرائیلی تسلط کے خلاف مسلح مزاحمت جاری ہے برطانوی تسلط کے دوران یہودی آبادکاروں کے خلاف مسلح مزاحمت (۱۰) لیبیا' اطالوی تسلط کے خلاف مسلح مزاحمت (۱۱) ملائیشیا' ملائیشیا کے کمیونسٹوں نے برطانیہ کے خلاف مسلح مزاحمت کی اور شکست کھائی (۱۲) مراکش' فرانس اور سپین کے تسلط کے خلاف مسلح مزاحمت کی (۱۳) پاکستان' برطانوی تسلط کے خلاف علمی اور سیاسی جدوجہد' مسلح مزاحمت کی تحریکیں ناکام ہوئیں (۱۴) سعودی عرب' تُرک اقتدار کے خلاف مسلح جدوجہد۔

یہاں بہت ہی معروف اسلامی ملکوں کی مثال دی گئی ہے اسلامی ملکوں کی ایک بڑی تعداد ایسی تھی جو یورپی نو آبادیاتی طاقتوں کے زیر حفاظت قرار پائیں انہیں (Protectorate) کہا جاتا تھا ان میں سے اکثر نے کوئی مزاحمت ہی نہیں کی تاہم بعض نے جن میں الجزائر بہت نمایاں ہے مسلح جدوجہد کی اور پاکستان ایسے ملکوں کی آزادی کے لئے مسلمانوں نے ایک طرف مسلح جدوجہد کی لیکن وہ کامیاب نہیں ہوئی اور دوسری طرف سیاسی جدوجہد کی جس سے آزادی حاصل ہوئی۔ مزاحمت کرنے والے اور مزاحمت نہ کرنے والے مسلمان ملکوں کے معاملات پر الگ الگ غور کریں تو آپ کو اندازہ ہوگا کہ یا تو ایسے ممالک تھے کہ جہاں معاشرہ نہ تو تعلیم یافتہ تھا اور نہ ہی ان کی اشرافیہ میں جدید سیاسی تنظیم سازی کی صلاحیت موجود تھی۔ جہاں مسلح مزاحمت کی گئی وہاں یا تو دینی قیادت غیر ملکی اور غیر اسلامی تسلط کے خلاف جہاد کے جائز تصور کو بروئے کار لا رہی تھی یا جدید تعلیم یافتہ قیادت مغرب اور سرمایہ داری سے نفرت کے نظریات رکھتی تھی اور مسلح انقلابی جدوجہد پر یقین رکھتی تھی۔ پاکستان کا کیس اسلامی ملکوں اور اقوام کی تحریک آزادی میں یوں منفرد ہے کہ آزادی کی اس تحریک نے ایک عظیم تاریخی شعور سے جنم لیا ایک علمی اور ثقافتی

تحریک کی شکل اختیار کی اور پھر یہ سیاسی تحریک آزادی میں بدل گئی جس کی بنیاد آئین پسندی Constitutionalism پر رکھی گئی تھی اگر پاکستان نے ایک خاص تاریخی شعور کے تحت ایک علمی تحریک کے بطن سے جنم نہ لیا ہوتا تو آج پاکستان دنیا کی واحد اسلامی ایٹمی طاقت نہ ہوتا۔ 1857ء میں مسلح تحریک آزادی ناکام ہوچکی تھی۔ سرسید احمد خان نے مسلمانوں کی آزادی کے ساتھ اپنے عظیم لگاؤ کے باوجود یہ موقف اختیار کیا کہ مسلمانوں کی غلامی کی بنیادی وجہ ان کی جدید علوم' بالخصوص سائنس اور ٹیکنالوجی میں پسماندگی ہے۔ انہوں نے کہا کہ برطانوی غلبہ صرف ایک ملک کا ایک ملک یا ایک قوم پر غلبہ نہیں ہے بلکہ علم اور ٹیکنالوجی سے مسلح ایک تہذیب کا دوسری ایسی تہذیب پر غلبہ ہے جس نے اپنے علم وعرفان اور غور وفکر اور تحقیق کے ورثے کو نظر انداز کر دیا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم آزادی حاصل کریں گے لیکن اگر ہم نے صرف مزاحمت اور تشدد کے ذریعے آزادی حاصل کی اور علم کی دولت سے مالا مال نہ ہوئے تو برتر علمی صلاحیتیں رکھنے والے ملکوں کے دست نگر رہیں گے۔ چنانچہ سرسید احمد نے (۱) غیر ملکی غلبے کو مسترد کر دیا (۲) لیکن اس غلبے کی بنیادی وجوہ پر غور کرنے کی دعوت دیتے ہوئے کہا کہ ہمیں اپنی توانائیاں مسلح تصادم میں کھپانے کے بجائے جدید علم اور ٹیکنالوجی کے حصول میں صرف کرنی چاہئیں۔ جہاد کے ذریعے آزادی ممکن تھی لیکن حقیقی آزادی حصول علم کے ذریعے ہی ممکن تھی۔ علم کے ذریعے آزادی ہر طرح کے غلبے سے نجات فراہم کر سکتی تھی۔ دیوبند کے علماء کی تحریک اور اس کے ساتھ ساتھ مخلص اور بہت محبت کرنے والے علمائے امت کی طرف سے سکھوں اور انگریزوں کے خلاف اٹھائی گئی مسلح تحریکیں اپنے ان مقاصد میں کامیاب نہ ہوئیں۔ اپنی ناکامیوں کی بنا پر ان تحریکوں نے انگریز اور مغرب سے متعلق ہر شے کو مسترد کیا۔ انہوں نے انگریزی کی تعلیم اور مغربی ٹیکنالوجی حتیٰ کہ لاؤڈ اسپیکر تک کو مسترد کر دیا۔ اس کے برعکس سرسید احمد خان نے قومی مفادات کے لئے کامل اتفاق رائے کا اظہار کرتے ہوئے اس بات پر زور دیا کہ حصولِ علم بنیادی مسئلہ ہے۔ مسلمان علم اور ٹیکنالوجی میں مغرب کا مقابلہ کرنے کے قابل ہو گئے تو کوئی ان پر غلبہ برقرار نہیں رکھ سکے گا۔ سرسید احمد خان نے آزادی کے بنیادی نصب العین کے ساتھ اتفاق رائے کا اظہار کرتے ہوئے علم وتحقیق' تنظیم اور غیر مسلح و پرامن جدوجہد کا راستہ چنا۔ اسے ہم روشن خیال میانہ روی کا راستہ قرار دے سکتے ہیں۔ مصور پاکستان ڈاکٹر محمد اقبال اور بانی پاکستان محمد علی جناح اسی تحریک کے نامور سپاہی تھے۔ آپ غور کریں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ سرسید مسئلہ کی بنیادی وجوہ پر غور کرنے اور زوال کے اصل محرکات کو ختم کرنے کے قائل تھے۔ اقبال فکر کی اس تحریک کا نقطہ عروج تھے۔ اقبال نے صرف علم ہی نہیں بلکہ خودی کو بیدار کرنے اور ایسی جدوجہد کو زندگی کا عنوان بنانے کی تعلیم دی جس میں مسلمان کی ایک سانس بھی ضائع نہ ہوتی ہو۔ اقبال اور سرسید کے فکری تعلق کو انکی نظم ''خطاب بہ جوانانِ اسلام'' میں ایک تڑپ اور سوز کے ساتھ دیکھا جا سکتا ہے۔

تجھے آباء سے اپنے کوئی نسبت ہو نہیں سکتی
کہ تو گفتار وہ کردار' تو ثابت وہ سیارا
گنوا دی ہم نے جو اسلاف سے میراث پائی تھی
حکومت کا تو کیا رونا کہ وہ اک عارضی شے تھی
نہیں دنیا کے آئینِ مُسلّم سے کوئی چارا
مگر وہ علم کے موتی کتابیں اپنے آباء کی

جو دیکھیں ان کو یورپ میں تو دل ہوتا ہے سیپارا

اقبال جہاد کو زندگی کی ایک ایک سانس کا عنوان بنا کر اسے ساری زندگی پر غالب کر دینے کے قائل تھے۔ اس میں مسلح ایکشن زندگی کا ایک حصہ تھا' ساری زندگی نہیں تھی۔ اس میں علم و عرفان اور کاوش و تحقیق بہت نمایاں اہمیت کے حامل تھے۔ بانی پاکستان محمد علی جناح جدوجہد آزادی کو حتی المقدور پرامن رکھنے کے اس قدر قائل تھے کہ انہوں نے گاندھی جی کی غیر قانونی جلوسوں اور بائیکاٹ کی حکمت عملی سے بھی فاصلہ رکھا۔ انہوں نے وہ راستہ اختیار کیا جو ایک سیاسی عالم کے شایان شان تھا اور جسے دنیا آج آئین پسندی Constitutionalism کے عنوان سے یاد کرتی ہے۔ پاکستان سرسید' اقبال اور جناح (علیہم الرحمتہ) کی روشن خیال میانہ روی کی پیداوار ہے اور اس کی جڑیں حصول علم اور عظیم غور و فکر کے کلچر میں ہیں۔ اس کی جڑیں جدید علم سے گریز کرنے والی تحریک دیوبند اور تشدد کو پہلا آپشن قرار دینے والوں کی فکر میں نہیں ہیں۔ اپنے اس عظیم علمی ورثے کی وجہ سے ہی پاکستان سائنس دانوں کی وہ کھیپ آسانی سے فراہم کر سکا جنہوں نے اسے اسلامی دنیا کی پہلی ایٹمی طاقت بنا دیا۔ ہمارا تاریخی تجربہ یہ ہے کہ روشن خیال میانہ روی نے ہمیں ملک دیا۔ آزادی اور ایٹمی طاقت دی اور جدید ریاست بنایا۔ کیا وجہ ہے کہ ہم اپنے تاریخی تجربے کی نفی کر کے روشن خیال میانہ روی کو ترک کر کے وہ راستہ اختیار کر لیں۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور' 11 جون 2004ء)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی

قرآنی حقوقِ انسانی

جس دن سے شعورِ انسانی نے آنکھ کھولی ہے انسان اپنے لئے بہترین ضابطہ حیات بنانے کی فکر میں غلطاں و پیچاں ہے۔ اس کوشش و جدوجہد کا سلسلۂ دراز نوعِ انسانی کی پوری تاریخ پر محیط ہے۔ اس دنیا میں سینکڑوں اقوام آئیں اور چلی گئیں، سینکڑوں نظام نمودار ہوئے اور ختم ہو گئے۔ متعدد تہاذیب کے چراغ جلے اور بجھ گئے، عقل انسانی برابر ترقی کرتی رہی۔ علوم عقلی کو فروغ حاصل ہوتا چلا گیا لیکن یہ مسئلہ اپنی جگہ قائم رہا۔ ہمارے اپنے دور میں جمہوریت اور کمیونزم دونوں نظام جاری رہے، لیکن ہمارے دیکھتے دیکھتے کمیونزم کا نظام منقرض ہو گیا اور جمہوریت جس کا نظام آج بھی جاری ہے اس کے لئے بھی خود مفکرین و مدبرین یورپ کا اعتراف ہے کہ یہ مسائل حیات کو سلجھانے میں کامیاب نہیں ہوئی۔

انسانی نظام حیات میں جو بنیادی چیز قابل غور اور مختلف فیہ رہی ہے وہ فرد اور معاشرہ کے باہمی حقوق کا تعین تھا۔ ابتدائی دور قبائلیت اور دورِ ملوکیت میں فرد کا کوئی اختیار نہیں تھا اور نہ ہی کسی قسم کے کوئی حقوق اس کو حاصل تھے۔ بادشاہ ہی قانون کا واحد منبع و مصدر شمار ہوتا تھا کہ جو بھی قانون اس کی ذات یا مملکت کو فائدہ دیتا تھا وہ اسے جاری کر دیتا تھا۔ انسان کے حقوق یا اس کی ضروریات کا کوئی خیال کبھی پیش نگاہ نہیں رہا۔ اور نہ ہی عوام میں اپنے حقوق کا کوئی تصور تھا۔ ہمارے ہاں مسلمانوں میں یہ تاریک ترین دور تھا۔ عوام تو ایک طرف اس زمانہ کے مفکرین بھی بادشاہ کی مطلق العنانی اور عوام کو اس کی اطاعت کی تعلیم دیتے تھے۔ سعدی شیرازی کا مشہور شعر ہے:

اگر شاہ روز را گوید شب است ایں
بباید گفت اینک ماہ و پروین

(ترجمہ) اگر بادشاہ دن کے لئے کہدے کہ یہ رات ہے تو یہی کہنا چاہئے کہ ہاں یہ رہے ماہ و پریں۔

ضمناً مسلمانوں کی مزید بدقسمتی ملاحظہ ہو کہ یہی تاریک ترین دور وہ دور تھا جب مسلمانوں میں مزعومہ اسلامی علوم کی تدوین ہوئی۔ اس دور کے خلافِ عقل نظریات، نیز بادشاہوں کی مطلق العنانی اور اس کا منطقی نتیجہ تقدیر کا عقیدہ، ان سارے علوم میں سرایت کر گئے جس کے نتیجہ میں جو قوم سراپا عمل اور ساری انسانیت کے لئے نگراں مقرر ہوئی تھی وہ ساری اقوام میں پست ترین ہوئی۔ بالآخر حقوق انسانی کا تصور بھی مغرب سے شروع ہوا جس کی نہایت مختصر تاریخ پیش کی جاتی ہے جس سے مقصود قارئین کرام کو یہ اندازہ کرانا ہے کہ یہ حقوق اس دور

کے بادشاہوں نے بخوشی نہیں دیئے بلکہ مجبوراً دباؤ میں آ کر (Under Pressure) دیئے ہیں۔ جس قدر دباؤ ان پر بڑھتا رہا اسی قدر حقوق وہ دیتے رہے۔ انسانی حقوق کا جاری کرنا ان کی اپنی خواہش نہیں تھی اور یہی حالت اب بھی ہے جہاں ملوکیت مضبوط ہے وہ حقوق کم دیتی ہے۔ جہاں عوام کا زور زیادہ ہے وہاں حقوق زیادہ دیئے گئے ہیں۔

ولیم (William the Conqueror) نے 1066 عیسوی میں Hastings کے مقام پر جنگ لڑی اور انگلستان کو فتح کر لیا۔ اس کے بعد وہاں مقامی حکومتیں قائم رہیں اور (Feudal System) جاگیردارانہ نظام جاری رہا۔ یہاں تک کہ John the Lacland کا زمانہ آ گیا۔ اس بادشاہ کے زیر قبضہ بہت سا علاقہ فرانس میں بھی تھا۔ جس کی وجہ سے یہ برابر فرانس سے لڑتا رہا۔ ایک اہم مقام اس کے ہاتھ سے جاتا رہا جس کا نام Cailwy تھا۔ اس وجہ سے اس کو John the Lackland کہنے لگے۔ فرانس سے مسلسل لڑائی کی وجہ سے یہ بادشاہ اپنے Barons سے برابر رقوم اور سپاہیوں کا مطالبہ کرتا رہا اور Barns اس کو یہ دونوں چیزیں مہیا کرتے رہے۔ لیکن اس کو لڑائی میں برابر شکست ہوتی رہی۔ اس سے اس کے Barns دل برداشتہ ہو گئے اور بادشاہ اور Barons کے تعلقات خراب سے خراب تر ہوتے چلے گئے اور بادشاہ بھی برابر پارلیمنٹ کو نظر انداز کرتا رہا۔ آخر ایک مرتبہ جب کہ بادشاہ سیر کے لئے Riennymede گیا ہوا تھا اور اس کے امراء (Barns) اس کے ساتھ تھے انہوں نے بادشاہ کو مجبور کر کے Magna Carta پر دستخط کرائے۔ یہ Magna Carta 15 جون 1215ء کو ضبط تحریر میں آیا تھا۔ اس Magna Carta کے تحریر کرنے کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت کا پوپ بھی بادشاہ کے خلاف تھا اور اس نے بادشاہ کو Ex-Communicate (ایمان سے خارج) کر دیا تھا جس کے معنے یہ تھے کہ بادشاہ اور ملک کی پوری رعایا بخشش سے محروم ہو گئی تھی۔ اس معاہدہ کی 63 شقیں تھیں لیکن اس معاہدہ کا لب لباب یہ تھا۔

(1) بادشاہ کسی کو پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر ملک بدر نہیں کر سکتا۔

(2) بادشاہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کوئی Tax نہیں لگا سکتا۔

(3) بادشاہ پارلیمنٹ کی منظوری کے بغیر کسی کو قید نہیں کر سکتا۔

ظاہر ہے کہ یہ تینوں شقیں barons کے متعلق ہی تھیں۔ عوام کا اس سے دور کا بھی واسطہ نہیں تھا۔ اس کے بعد رعایا اور بادشاہوں کے تعلقات اچھے رہے یہاں تک کہ ٹوڈرز (Tudors) آ گئے۔ یہ پہلا خاندان تھا جس نے جم کے حکومت کی۔ اور اس خاندان میں بھی الزبیتھ (Elizabeth) بہت کامیاب رہی۔ وہ بہت زیرک تھی اور اس نے متاہل زندگی اختیار نہیں کی بلکہ اپنی شادی کے مسئلے کو سیاسی بنا کر اس کو Exploit کیا۔ یہ اکبر اعظم کی ہمعصر تھی۔ چونکہ اس کے کوئی اولاد نہیں ہوئی اس لئے اس نے اپنے قریب ترین عزیز William کو اپنا جانشین بنایا۔ یہ بادشاہ بہت

Pedantic تھا اور اس کے دور میں بائبل کا Authorised Version طبع ہوا۔ اس کے زمانہ تک بادشاہ مطلق العنان ہی ہوتے تھے اور عوام کا کوئی دباؤ حکومت پر نہیں ہوتا تھا اور بادشاہ بھی عموماً رعایا کا خیال رکھتے تھے' صرف Barons کا بادشاہ پر اثر ہوتا تھا۔ ولیم کے بعد اس کا بیٹا چارلس اول حکمران ہوا اور اس کے دور کے شروع سے ہی لڑائی اور تنازعات شروع ہوگئے۔ اس کے دور میں تین پارٹیاں تھیں اور تینوں کو ایک دوسرے پر اعتماد نہیں تھا۔ چنانچہ اس بادشاہ کے دور میں Bill of Rights اور Petition of Rights پاس ہوئے۔ لیکن بادشاہ برابر وعدہ خلافی کرتا رہا یہاں تک کہ اس کو پھانسی دے دی گئی۔ یہ Bill of Rights اور Petition of rights انسانی حقوق کے تسلیم شدہ Documents تھے اور اس طرح حقوق انسانی تحریری شکل میں آئے۔ یہ دور سترھویں صدی کا زمانہ تھا۔ اس کے بعد 1789 میں فرانس کا انقلاب برپا ہوا اور Decleration of Rights عالم وجود میں آیا۔

اصل بات جو بہت ہی اہم اور انقلابی ہے وہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کا نظریہ انسانی حقوق کے سلسلہ میں موجودہ مغربی حقوق کے نظریہ سے بالکل منفرد ہے۔ اس کے نزدیک یہ انسانی حقوق ہی نہیں ہیں' زیادہ سے زیادہ یہ قانونی حقوق (Legal Rights) ہیں۔ وہ بھی صرف وہاں جاری ہو سکتے ہیں جہاں حکومت کی اپنے عوام پر گرفت کمزور ہو' اور عوام کا حکومت پر کافی دباؤ ہو۔ لیکن قرآنِ کریم کے نزدیک ان حقوق کی بھی اہمیت ہے۔ قرآنِ کریم کا انسانی حقوق سے متعلق نظریہ معلوم کرنے سے پیشتر قرآن کے تصور زندگی کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ جب تک قرآنِ کریم کا تصور حیات سامنے نہیں آتا' اس کے حقوق وفرائض کا تصور بھی واضح نہیں ہوسکتا۔

انسانی زندگی سے متعلق ایک نظریہ یہ ہے کہ انسانی بچہ عام حیوانی بچوں کی طرح پیدا ہوتا ہے وہ طبعی قوانین کے تابع زندگی گزارتا ہے۔ افزائش نسل کرتا ہے اور ان ہی طبعی قوانین کے مطابق اپنی پوری زندگی گزار کر مرجاتا ہے اور اس طرح اس انسان کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ چونکہ انسان متمدن واقع ہوا ہے اور اس کے لئے ضروری ہے کہ وہ کسی نہ کسی سوسائٹی میں زندگی بسر کرے اس لئے وہ کوئی نہ کوئی سوسائٹی یا معاشرہ بناتا ہے۔ سوسائٹی یا معاشرہ میں رہنے کے لئے ضروری ہے کہ وہ سوسائٹی کے وضع کردہ قوانین کی اطاعت کرے۔ سوسائٹی کے قوانین خود سوسائٹی کے افراد وضع کرتے ہیں جو حالات ومصالح کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔

یہ ایک نظریۂ زندگی تھا جو تحریر کیا گیا ہے۔ زندگی کا دوسرا نظریہ جو قرآن حکیم کا پیش کردہ ہے وہ یہ ہے کہ جہاں تک طبعی زندگی کا تعلق ہے انسان اور حیوان میں کوئی فرق نہیں لیکن انسان کی زندگی صرف طبعی زندگی نہیں ہے۔ اس کی طبعی زندگی' حیات (The Life) کے ارتقائی پروگرام کی ایک کڑی ہے۔ یہ اس کی آخری کڑی نہیں ہے۔ اسی سلسلہ کو آگے جاری رہنا ہے۔ طبعی سطح پر زندہ رہنے کے لئے طبعی قوانین کافی ہیں لیکن ارتقا کی اگلی منزل تک پہنچنے کے لئے طبعی قوانین کے علاوہ ایک اور ضابطۂ قوانین کی ضرورت ہے' جنہیں مستقل اقدار کہا

جاتا ہے۔ یہ اقدار نہ کسی فرد کی وضع کردہ ہیں اور نہ ہی کسی سوسائٹی کی۔ یہ ازلی و ابدی ہیں۔ مطلق (Absolute) ہیں۔ یہ اقدار انسانیت کو اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے عنایت فرمائی ہیں جو انبیاء کرام کی وساطت سے انسانوں کو ملتی رہی۔ انسان کے ہر عمل کا اثر اس کی ذات پر مرتب ہو جاتا ہے۔ اگر اس کے اعمال وحی الٰہی یعنی مستقل اقدار کے مطابق ہوئے تو وہ زندگی کی اگلی ارتقائی منزل حاصل کرنے کے قابل ہو جاتا ہے' لیکن اگر بدقسمتی سے ایسا نہ ہوا' اور اس فرد کے بیشتر اعمال مستقل اقدار کے خلاف ہوئے تو وہ زندگی کی پست سطح پر رہے گا۔ اعمال کے اثرات مرتب ہونے میں کسی پولیس' یا عدالت' یا حکومت کی کسی ایجنسی کا کوئی دخل نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کے قانون مکافاتِ عمل کی رو سے خود مرتب ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اور کائنات کی قوتیں جنہیں قرآنِ کریم نے ملائکہ کہا ہے وہ یہ اثرات مرتب کرتی ہیں لیکن ہم شعور کی موجودہ حالت میں یہ نہیں جان سکتے کہ وہ کس طرح یہ اثرات مرتب کر رہی ہیں۔ یہ دونوں نظریات زندگی' ایک دوسرے سے بالکل الگ منفرد' متخالف اور متناقض ہیں۔ ان دونوں نظریات زندگی میں باہم آمیزش نہیں ہو سکتی۔

چونکہ اس مضمون کا سارا دارومدار اسی نکتہ پر منحصر ہے' اس لئے اس کی دوبارہ وضاحت دوسرے پیرائے میں کی جاتی ہے تاکہ معزز قارئین کرام پر یہ مضمون اچھی طرح واضح ہو جائے۔ علمی دنیا میں اصولی طور پر دو قسم کے نظریات جاری ہیں۔ ایک تصور حیات یہ ہے کہ انسانی زندگی صرف طبعی زندگی Physical Life پر مشتمل ہے۔ ہر انسان طبعی قوانین کے مطابق زندہ رہتا ہے اور ان ہی طبعی قوانین کے ماتحت اس کے جسم کی پرورش ہوتی ہے اور ان ہی قوانین کی رو سے وہ فوت ہو جاتا ہے۔ جب اس کا سانس بند ہو جاتا ہے تو فوری اس شخص کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں اس تصور حیات کو مادی نظریۂ حیات سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس کے بالکل برخلاف دوسرا تصور زندگی یہ ہے کہ انسانی زندگی صرف اس کے جسم کی زندگی کا نام نہیں ہے بلکہ جسم کے علاوہ انسان میں ایک اور چیز بھی ہے جسے اس کی ذات' ''میں'' ''Self یا زندگی کہتے ہیں۔ یہ طبعی قوانین کے ماتحت نہیں ہوتی اور نہ ہی انسانی جسم کی موت سے اس کی موت واقع ہوتی ہے۔ اس سے انسان مرنے کے بعد بھی زندہ رہتا ہے۔ اگر اس کی مناسب نشوونما کر لی جائے تو موت کے بعد بھی وہ زندگی کے مزید ارتقائی منازل طے کرنے کے قابل ہو جاتی ہے۔ انسانی ذات کی نشوونما ان قوانین کے ماتحت ہوتی ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے انبیاء کرامؑ کی معرفت بذریعہ وحی ملتے تھے۔ زندگی ایک مسلسل جاری رہنے والی ندی ہے جو اس دنیا کے صحراؤں سے گذر کر آخرت کے باغوں اور چمنستانوں میں داخل ہو جاتی ہے اور موت اس باڑ یا Curtain کا نام ہے جو ان دونوں کے درمیان حائل ہے جس کی وجہ سے ہم اس لق و دق صحرا میں کھڑے ہونے کی وجہ سے زندگی کی اس ندی کو اس باڑ (Curtain) سے آگے نہیں دیکھ سکتے ورنہ تو بقول احسان دانش مرحوم ؎

موت کے صدمہ سے کم ہوتی نہیں تابندگی
اس طرف بھی زندگی ہے' اس طرف بھی زندگی

زندگی سے متعلق قرآنی نظریہ کی وضاحت کے بعد ہم اب اصل

موضوع کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

یہ بات تو درست ہے کہ قرآنِ کریم کے نزدیک اصل مقصد ذات کی نشوونما اور اس کا مابعد موت کا ارتقاء ہے اور اسے ہی وہ زندگی بھی کہتا ہے وان الدار الآخرۃ لھی الحیوان (29/64) اور آخرت کا گھر جو ہے تو وہی زندگی ہے۔ تاہم اس کے یہ معنے نہیں کہ وہ اس دنیا کی طبعی زندگی کو اہمیت نہیں دیتا۔ وہ اس دنیا کی طبعی زندگی کو بھی بہت اہمیت دیتا ہے اور اس دنیا میں زندگی گذارنے کی ہدایات عنایت فرماتا ہے اس کا نظریہ ہے کہ چونکہ عقل انسانی اپنے مسائل حیات خود طے کرنے کے قابل نہیں ہے اس لئے وہ ان کا حل پیش کرتا ہے۔ قرآنِ کریم کی رو سے انسانیت پر فرض ہے کہ وہ اپنی حیات اجتماعیہ اس کے پیش کردہ نظام کے مطابق بنائیں۔ قرآنِ کریم جو نظام پیش کرتا ہے اس میں بھی اس نے حقوق انسانی کی نشاندہی کر دی ہے۔ جن کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے۔ لیکن ان کی اہمیت اس تناسب سے ہے جس قدر اہمیت جسم کی ذات کے مقابلہ میں ہے۔ قرآنی تصورِ حیات کے مطابق ان کا نام انسانی حقوق نہیں ہوسکتا بلکہ انہیں قانونی حقوق (Legal Right) کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ انسانی حقوق تو صرف وہ حقوق ہیں جو انسانی ذات کی نشوونما سے متعلق ہوں۔ لیکن چونکہ عام طور پر حقوق انسانی کی اصطلاح ہی ان طبعی قوانین کے بارے میں استعمال کی جاتی ہے' اس لئے پیش نظر مضمون میں بھی سہولت کے پیش نظر وہی اصطلاح استعمال کی جائے گی۔ فی الحال' اس طبعی دنیا کے انسانی حقوق کی بحث ملاحظہ فرمائیں۔

مضمون کے بالکل ابتدائی حصہ میں انسانی حقوق کی تاریخ مجمل طور پر تحریر کر دی گئی ہے جس سے قارئینِ کرام کو بخوبی اندازہ ہوسکتا ہے کہ یہ انسانی حقوق بتدریج Develop ہوئے ہیں اور اس میں عوام اور بادشاہوں یا مقتدر اداروں کی مسلسل کشمکش رہی ہے۔ جہاں حکومت کمزور ہوتی گئی اور عوام زور پکڑتے گئے وہاں ان حقوق پر اضافہ ہوتا چلا گیا اور عوام نے کچھ حقوق حاصل کر لئے۔ لیکن قرآنِ کریم کا تصور اس بارے میں بہت بلند و ارفع ہے۔ قرآنِ کریم تو حکومت کے قیام کا جواز ہی یہ دیتا ہے کہ وہ حکومت اس لئے قائم ہوتی ہے کہ اس میں انسانی حقوق جاری کئے جائیں۔ ارشاد حضرت باری عزاسمہ ہوتا ہے' الذین ان مکنھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ اتوا الزکوٰۃ و امروا بالمعروف و نھوا عن المنکر ولله عاقبة الامور (22:41) وہ یہ کہ اگر ہم ان کو اقتدار دیں تو یہ نماز قائم کریں' زکوٰۃ ادا کریں' معروف کا حکم دیں' منکر سے منع کریں اور ہر کام کا آخر اللہ کے اختیار میں ہے۔ معروف اور منکر قرآنِ کریم کی جامع اصطلاحات ہیں۔ معروف کے معنے ہی اسلامی حکومت کے احکامات اور انسانی حقوق ہیں۔ اسی طرح مناھی وہ امور ہیں جن سے اسلامی حکومت وقتاً فوقتاً منع کرتی رہتی ہے۔ یہ معروف و منکر حالات' خطے از منہ کے مطابق بدلتے رہتے ہیں اور اسلامی حکومت ان کا اجراء کرتی رہتی ہے اور اسی بات کی نگرانی کرتی رہتی ہے کہ تمام حقوقِ انسانی جاری ہو رہے ہیں۔ قرآنِ کریم کی رو سے جو حکومت انسانی حقوق جاری نہیں کرتی اسے حکومت کرنے کا قطعاً کوئی جواز نہیں۔

حقوقِ انسانی کے سلسلہ میں عقلِ انسانی نے جہاں تک ترقی کی وہ قابلِ ستائش ہے۔لیکن ان حقوق سے انسانیت کو مکمل فلاح واطمینان حاصل نہیں ہو سکا۔قرآنِ کریم موجودہ دور تک حاصل کردہ حقوق میں سے اکثر کو جائز قرار دیتا ہے بلکہ اس کا امران کے اجراء پر ہے لیکن وہ حقوق جن کی وہ نشاندہی کرتا ہے عقلِ انسانی ان تک ابھی نہیں پہنچی اور اس کی وجہ یہ نہیں کہ یہ عقلِ انسانی کی گرفت سے باہر ہیں بلکہ اصل وجہ یہ ہے کہ مختلف اقوام کا تصادم ان کو جاری نہیں کرنے دیتا۔قرآنِ کریم کے منفرد حقوقِ انسانی درج ذیل ہیں۔

(1) بدلہ صرف محنت کا ہے' لیس للانسان الا ما سعیٰ۔

(2) ساری انسانیت ایک ہے۔ممالک' اوطان کی تقسیم انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کرنا ہے۔

(3) احسان۔

(4) انفاق فی سبیل اللہ۔

(5) ملکیت زمین بالکل حرام ہے۔زمین اللہ تعالیٰ کی ہے اور ہر شخص اس سے برابر کا فائدہ اٹھا سکتا ہے۔

(6) حق کو چھپانا اور اس میں التباس کرنا سخت جرم ہے۔

(7) وسائل رزق سب انسانوں کے لئے کھلے ہیں اور سب کا ان پر حق ہے۔

(8) ایفائے عہد۔

(9) مدارج بہ اعتبارِ عمل۔

(10) نیکی میں تعاون۔

(11) دشمن سے نیک سلوک کرنا۔

(12) نسل پرستی' وطن پرستی' انسانیت کو تقسیم کرتی ہے۔

اور اسی طرح متعدد حقوق جو منفرد ہیں اور جن کا شمار کرنا بیک وقت مشکل ہوتا ہے۔

مندرجہ بالا تحریر کردہ حقوقِ انسانیت وہ ہیں جن کے متعلق رسالہ طلوع اسلام اور ادارہ طلوع اسلام کی شائع کردہ کتب میں اس قدر مواد فراہم کیا گیا ہے کہ اسے دوبارہ تحریر کرنا' قارئینِ کرام کا وقت ضائع کرنا ہے۔وہ ان حقوقِ انسانی کے متعلق کسی بھی وقت ادارہ طلوع اسلام کے فراہم کردہ لٹریچر سے استفادہ کر سکتے ہیں۔یہ وہ حقوق ہیں جو قرآنِ کریم کے منفرد عطا کردہ ہیں۔ابھی انسانیت اس معیار پر نہیں آئی کہ ان کو اب تک کے تسلیم کردہ حقوقِ انسانیت کی فہرست میں شامل کرے۔ لیکن یہ قرآنِ کریم کے داعینِ کا فرض ہے کہ وہ ساری دنیا کو قرآنِ کریم کے عطا کردہ ان حقوق سے متعارف کرائیں۔جس دن انسانیت نے یہ حقوق بہ رضا و رغبت تسلیم کر لئے' اس دن بنی نوع انسان کی بیشتر مشکلات خود بخود دور ہو جائیں گی۔لیکن ضرورت اس امر کی ہے کہ ان اقدار (Values) کو نہایت خلوص اور حکمت کے ساتھ دنیا میں متعارف کرایا جائے۔آج ساری دنیا کی حالت یہ ہے کہ ہر جگہ ایک اضطراب ہے جس کی وجہ سے کسی خطۂ زمین میں سکون واطمینان نہیں ہے۔جو ممالک نہایت مہذب و متمدن شمار ہوتے ہیں' ان کی تہذیب وتمدن بھی اندر سے بالکل کھوکھلی ہے اور ہر آدمی دوسرے آدمی سے خوفزدہ بھی ہے اور ہر شخص دوسرے کو Exploit بھی کر رہا ہے۔ان ہی معاشروں میں انسانیت کا درد رکھنے والے مسلمان ان حقوق کی اشاعت کریں تو ملاحظہ کریں کہ کس طرح ان کی آواز بلند

سے بلند تر ہوتی چلی جاتی ہے۔

اب اصل موضوع قرآنی انسانی حقوق کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ان حقوق سے دلچسپی صرف ان حضرات کو ہو سکتی ہے جو انسانی ذات' مکافاتِ عمل' آخرت اور آخرت میں زندگی اور ذات کے ارتقاء پر یقین رکھتے ہوں' کیونکہ اصل میں انسانی حقوق وہی ہیں جو انسانی ذات سے تعلق رکھتے ہیں۔

حقوقِ انسانی کا متعین کرنا عقل کے بس کی بات نہیں ہے۔ یہ حقوق وحی کے ذریعے عطا ہوئے ہیں۔ جس طرح انسانی جسم کی پرورش کے لئے قوانین مقرر ہیں اسی طرح انسانی ذات' ذات کی نشوونما کے لئے بھی قوانین مقرر ہیں۔ یہ مستقل اقدار کہلاتی ہیں اور ان ہی کا نام انسانی حقوق ہے۔ان مستقل اقدار یا انسانی حقوق پر عمل کرنے سے انسانی ذات کی تربیت و پرورش ہوتی ہے۔اگر ان انسانی حقوق کو کسی بھی معاشرے میں جاری کر دیا جائے تو یہ وہ معاشرہ ہے جس کو قرآنِ کریم نے جنت کے نام سے موسوم کیا ہے۔حضورﷺ کے مخالفین آپ سے کہتے تھے کہ اگر آپ واقعاً اللہ کے رسول ہیں تو تکون لک جنۃ من نخیل و عنب فتفجر الانھٰر خللھا تغجیرا (17:91)' تمہارے پاس کھجوروں اور انگوروں کا ایک ایسا باغ (جنت) ہونا چاہئے جس میں پانی کی ندیاں بہہ رہی ہوں۔اس کے جواب میں فوری طور پر قرآنِ کریم میں ارشاد ہوا کہ یہ ایک جنت (باغ) کہتے ہیں خدا تمہیں جنتیں (باغات) عطا کرے گا اور ان کے نیچے ندیاں بہہ رہی ہوں گی۔جعل لک خیرا من ذلک تجری من تحتھا الانھٰر ویجعل لک قصورا (25:10)' جنت کے علاوہ تمہارے لئے محلات بھی ہوں گے۔ یہ وہ جنت ہے جو مستقل اقدار یا حقوق انسانی پر عمل کرنے کے نتیجے میں اس دنیا میں حاصل ہوتی ہے' اور جو حضورﷺ اور آپ کے رفقاء کو اس دنیا میں حاصل ہوئی۔

انسانی حقوق میں سرفہرست جو حق آتا ہے اور جسے آج سے چودہ سو سال پیشتر قرآنِ کریم نے عطا فرمایا وہ ایک ایسا انقلابی نعرہ ہے کہ جس کی جس قدر تعریف وتحسین کی جائے وہ کم ہے اور انسانیت اپنے بلوغ کے باوجود آج تک اس نعرہ تک نہیں پہنچ سکی۔ جو سب سے بنیادی اور اول حق پوری انسانیت کا ہے وہ یہ ہے کہ انسان پر انسان کی حکومت حرام ہے اور باعثِ تذلیلِ انسانیت ہے۔کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی دوسرے انسان پر حکومت کرے۔حقِ حکومت صرف اور صرف اللہ تبارک وتعالیٰ کے لئے مختص ہے۔سورۂ یوسف میں ہے ان الحکم الا للہ (12:40)'حقِ حکومت صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔لا یشرک فی حکمہ احداً (18:26)' اللہ تعالیٰ اپنی حکومت میں کسی کو شریک نہیں کرتا اگر کسی انسان یا انسانوں کے کسی گروہ کو حق حکومت دے دیا جائے' خواہ اس کو کسی نام سے بھی موسوم کریں تو یہ کھلا ہوا شرک ہوگا اور کسی انسان کو اس کا حق حاصل نہیں۔قرآنِ کریم نے الہ کا لفظ حاکم' صاحب اقتدار کے معنے میں استعمال کیا ہے۔ چنانچہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ سے کہا تھا کہ لئن اتخذت الھاً غیری لا جعلنک من المسجونین (26:29)'اگر تو نے میرے سوا کسی کو بھی حاکم تسلیم کیا تو میں تجھے قید کر دوں گا۔ یہاں الہ کے معنے حاکم

کے ہیں۔وھو الذی فی السماء الہ و فی الارض الہ (43:84)' وہی ہے جو کائنات کی بلندیوں میں بھی حاکم ہے اور پستیوں میں بھی۔ ہم مسلمان ہر روز پانچ وقت اذان میں یہی نعرہ بلند کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے سوائے کوئی حاکم نہیں ہے۔ اسلامی مملکت میں تمام کاروبار خدا کی کتاب کی حدود کے اندر رہتے ہوئے کیا جاتا ہے۔ چونکہ انسانی ذات کی بنیادی صفات وہی ہیں جو صفات خداوندی ہیں اس فرق کے ساتھ کہ انسانی ذات کی یہ صفات محدود شکل میں ہوتی ہیں نیز قابل نشوونما۔ ان کی نشوونما اس طرح ہوتی ہے کہ انسان صفات خداوندی کو اپنے سامنے بطور معیار قرار دے۔ یہ انسان اور خدا کا بنیادی تعلق ہے جس چیز کو اسلامی حکومت کے قوانین کی اطاعت کہا جاتا ہے وہ ان ہدایات کا اتباع ہوتا ہے جن سے انسانی ذات کی نشوونما ہوتی ہے۔ اسلامی حکومت چونکہ مستقل اقدار نافذ کرتی ہے وہی انسانی حقوق ہوتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر متفرع ہوتے ہیں۔ اس لئے اسلامی حکومت کی اطاعت سے انسانی ذات میں ازخود صفات خداوندی کی نمود ہوتی چلی جاتی ہے۔ اس سے انسانی ذات کی نشوونما ہونے کے ساتھ ساتھ اس ذات کے تقاضوں کی تسکین بھی ہوتی ہے۔ جس طرح پانی پینے سے کسی غیر کی اطاعت مقصود نہیں ہوتی بلکہ اس کا مقصد پیاس بجھا کر اپنی ہی تسکین کرنا ہوتا ہے۔ واضح رہے کہ قرآنِ کریم میں Rights اور Duties' حقوق و فرائض ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جو ایک شخص کا فرض ہوتا ہے وہ دوسرے کا حق بنتا ہے۔ مثال کے طور پر قرآنِ کریم کی رو سے ہر ماں پر فرض ہوتا ہے کہ وہ اپنے بچے کو دو سال تک دودھ پلائے۔ مولین کاملین (2:233)' اس لئے ہر بچہ کا حق ہے کہ وہ اپنی ماں سے دو سال تک دودھ پیئے۔ اسی طرح قرآنِ کریم میں آتا ہے۔ یاایھا الذین امنوا لا تدخلوا بیوتا غیر بیوتکم حتی تستانسوا (24:27)' اے ایمان والو بغیر اجازت حاصل کئے دوسرے کے گھروں میں داخل نہ ہوا کرو چنانچہ یہ پڑوس پر فرض ہے کہ دوسروں کے گھروں میں بغیر اجازت داخل نہ ہوں۔ اسی طرح ہر شخص کا حق ہے کہ کوئی شخص اس کے گھر میں بغیر اجازت داخل نہ ہو۔ اس طرح حقوق و فرائض ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ جو ایک شخص پر فرض ہوگا وہی دوسرے کا حق ہوگا۔ اس تمیز کے بعد عرض ہے کہ قرآنِ کریم نے عہد و پیمان کی پابندی کرنا ضروری قرار دیا ہے' یاایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود (5:1)' تم اپنے عہد و پیمان پورے کیا کرو تم سے عہد و پیمان کے لئے پوچھا جائے گا۔ عہد کا پورا کرنا فرض ہے تو اسی طرح دوسروں کا حق ہے کہ کوئی آدمی ان سے بدعہدی نہ کرے' بدعہدی کرنے سے انسانی ذات پر برا اثر مرتب ہوتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ ہمارے جسم کو طبعی قوانین (Govern) کرتے ہیں لیکن ذات' نفس یا زندگی کو وحی کی مستقل اقدار (Govern) کرتی ہیں اور جب ذاتی مفاد یا مستقل قدر میں Tie (مقابلہ) پڑتی ہے تو اس وقت ذات کی ترقی و اضمحلال کا موقع فراہم ہوتا ہے۔ اگر آپ نے اپنا ذاتی مفاد ترک کر دیا اور مستقل قدر پر عمل کیا تو آپ کی نفس میں ترقی و نشوونما ہوگی۔ لیکن اگر آپ نے اس کے برعکس اپنے مفاد کو ترجیح دی تو آپ کے نفس کو اضمحلال ہوگا۔ فرض کیجئے آپ کو

اپنے لئے مکان خرید کرنا ہے' لیکن آپ کے پاس اتنی رقم نہیں ہے مگر آپ حرام کی کمائی حاصل کر کے مکان خرید سکتے ہیں۔ یہاں آپ کے ذاتی مفاد اور مستقل قدر میں Tie آ پڑتی ہے۔ اگر آپ نے مستقل قدر کو اختیار کیا اور حرام کی کمائی سے اجتناب کیا اور آپ مکان نہیں خرید سکے' تو اس سے آپ کی نفس میں پختگی پیدا ہو گی اگر آپ نے حرام کی کمائی قبول کر لی اور مستقل قدر کی پراوہ کئے بغیر مکان خرید لیا تو آپ کے نفس' ذات میں اضمحلال واقع ہو گا۔

عہد و پیمان کا پورا کرنا مستقل قدر ہے۔ اس سے ذات میں برومندی ہوتی ہے اور یہ ہر انسان کا حق ہے کہ دوسرا آدمی اس سے عہد پورا کرے انفرادی بھی اور قومی سطح پر بھی۔ آج ساری دنیا میں خصوصاً سیاسی معاہدات میں جو عہد شکنی ہوتی ہے وہ سب کو معلوم ہے۔ معاہدہ تحریر کرنے سے پیشتر ہی Loopholes' چور دروازے رکھوائے جاتے ہیں جن سے عہد شکنی ہو سکے۔ سیاسی زبان میں جس زبان کو Diplomatic Languge کہتے ہیں وہ یہی انگریزی زبان ہوتی ہے جسے ہم رات دن استعمال کرتے ہیں Diplomatic Languge کی خوبی یہ ہوتی ہے کہ ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں جن سے ہر دوسرے فقرے میں دو دو تین تین مفاہیم نکالے جا سکیں اور پہلے سے ہی ایسے الفاظ استعمال کئے جاتے ہیں کہ اس معاہدے سے انکار کیا جا سکے اور جو شخص جس قدر اس زبان کا ماہر ہو گا اس کی اسی قدر عزت ہو گی اور ہر اہم دستاویز اس سے ہی تحریر کرائی جاتی ہے۔ اس زبان کی بہت اہمیت ہے ورصرف اس وجہ سے کہ بدعہدی ہو سکے۔

موجودہ دور میں بدعہدی اور سیرت کی خامی کو واضح کرنے کے لئے ایک واقعہ پیش کیا جاتا ہے۔ 1962ء میں جب چین اور ہندوستان کے مابین لڑائی ہو رہی تھی تو پنڈت نہرو نے پیشکش کی کہ جنگ کے بجائے کسی معروف بین الاقوامی شخصیت کی طرف رجوع کیا جائے اور وہ دونوں ممالک کے مابین فیصلہ کرا دے اس پر مسٹر چواین لائی نے جواب میں کہا تھا کہ آج ساری دنیا میں ایک شخص ایسا نہیں جو قابل بھروسہ ہو اور دیانتداری سے بات کرے۔ سیاسی شخصیات کے لئے مزید افسوس کی بات یہ ہے کہ واقعاً ساری دنیا میں سے کسی نے یہ للکار کر نہیں کہا کہ میں دیانتدار اور دوٹوک بات کرنے والا ہوں اور یہ میری سابقہ زندگی میرے دعویٰ کی شہادت ہے۔ یہ مقام صرف انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ہی مخصوص ہے کہ وہ چاروں طرف سے مخالفین و معاندین کے نرغہ میں آنے کے باوجود علی اعلان یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ میری سابقہ زندگی میری پختہ سیرت کی دلیل ہے۔ فقد لبثت فیکم عمراً من قبلہ افلا تعلقون (10:16)' اور مخالفین کو اس بات کی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ حضورﷺ کے اس دعویٰ کی تردید کر دیں۔

انسانیت کے لئے نفع بخش ہونا

مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ وہ تمام انسانیت کے لئے نفع بخش ہوں اور خود مسلمانوں کا ایک دوسرے پر' اور غیر مسلموں کا تمام مسلمانوں پر یہ حق کہ انہیں مسلمانوں سے فائدہ ہی ملتا رہے۔ نفع بخش کاموں کو' گروہوں' اوطان' اقوام کے

دائروں میں محدود کر دینا قرآنِ کریم کی عطا کردہ مستقل اقدار کے خلاف ہے۔ارشاد ہوتا ہے۔وامـامـا یـنفع الناس فیمکث فی الارض (13:17)' زمین میں دوام صرف اس کو حاصل ہوگا جو تمام انسانیت کے لئے نفع بخش ہو۔ حج بیت اللہ شریف کا Institution اسلام میں بہت اہمیت کا حامل ہے۔اس کا واحد مقصد قرآنِ کریم نے یہی بیان فرمایا ہے کہ حج اس لئے ہے کہ اس میں ساری انسانیت کو نفع پہنچانے کے طریقے اور اسباب سوچے جائیں اور ساری انسانیت خود وہاں آ کر اس بات کا مشاہدہ کرے کہ مسلمان ساری انسانیت کی فلاح و بہبود کے لئے کیا طریقے اختیار کر رہے ہیں' لیشهـدوا منافع لهم (22:28)' قرآنِ کریم کی رو سے یہ ان کا حق Right ہے کہ وہ مسلمانوں سے منافع حاصل کریں۔

قرآنِ کریم کی رو سے عصمت کی حفاظت بھی ایک مستقل قدر ہے۔قرآنِ کریم نے جنسی تعلق کا صرف ایک ہی طریقہ بتایا ہے اور وہ نکاح ہے اس کے علاوہ اور کوئی طریقہ نہیں ہوسکتا' ولیستعـفف الـذیـن لا یـجـدون نکاحاً حتـی یـغـنیهم الله من فضله (24:33)'بس چاہئے کہ عفت کی زندگی بسر کرو یہاں تک کہ اللہ غنی کردے اپنے فضل سے اور نکاح ہو جائے۔اس سے واضح ہے کہ جس شخص کے لئے نکاح کی صورت نہ ہوسکتی ہو وہ ضبط نفس سے کام لے اور اپنی عصمت کی حفاظت کرے۔عصمت کے بارے میں ایک نکتہ اور بھی قابل تحریر یہ ہے کہ Sex کے لئے اضطراری حالت نہیں ہے۔بھوک' پیاس میں اضطراری کیفیت ہو جاتی ہے اور اس میں حرام مال بھی حلال ہو جاتا ہے۔اگر کوئی شخص سخت بھوکا ہے اور مرنے سے بچنے کے لئے حرام مال یا حرام چیز یا غیر مذبوحہ کھالے' تو اس کی کوئی گرفت نہیں ہے۔ ہاں یہ گنجائش Sex میں نہیں ہے کیونکہ قرآنِ کریم اس میں اضطراری حالت کو تسلیم نہیں کرتا۔حفاظتِ عصمت ہر حال میں لازم ہے۔

قرآنِ کریم کی ایک قدر یہ بھی ہے کہ نوع انسانی امت واحدہ ہے اور تمام انسان نفسِ واحدہ سے پیدا ہوئے ہیں۔اس کے معنے یہ ہیں کہ اصل کے اعتبار سے تمام انسان ایک ہی برادری کے افراد ہیں۔اسی لئے تمام نوع انساں کا ایک عالمگیر برادری اور ایک قوم بن کر زندگی گذارنا مقصود حیات ہے'کان الناس امة واحدةً۔تمام انسانیت ایک امت واحدہ ہے۔اقوام اوطان کی تقسیم نے انسانیت کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے جس قدر نقصان پہنچایا ہے' اس کی تلافی کبھی نہیں ہوسکتی۔قرآنِ کریم کی رو سے ہر فرد کا حق ہے کہ وہ کسی بھی ملک میں چلا جائے اور اپنے آپ کو کسی بھی قوم میں شامل کر لے' یہ ہر فرد انسانیت کا حق ہے۔

اصل مقصود اس مضمون کا یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی رو سے انسانی حقوق وہ ہوتے ہیں جن کا تعلق انسان کی ذات سے ہوتا ہے اور انسانی ذات سے متعلق قوانین صرف وحی کے ذریعے مل سکتے تھے۔عقل انسانی کے بس کی یہ بات نہیں ہے کہ وہ انسانی ذات سے متعلق حقوق بنائیں۔فلہذا جو اقوام وحی یا ذات کی قائل ہی نہیں ہیں وہ انسانی حقوق کا تعین نہیں کرسکتی وہ صرف Legal Rights بنا سکتی ہیں اور بس۔

فستذکرون ما اقول لکم (40:44)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

سید امتیاز احمد

پُھول جو میں نے چُنے

(''قتلِ مرتد' غلام اور لونڈیاں'' سے ماخوذ)

قرآن کا پیغام شرفِ انسانیت کا پیغام اور اس کی دعوت احترامِ آدمیت کی دعوت ہے۔

☆☆☆

انسان بحیثیت انسان واجب التکریم ہے۔اس کا انسان ہونا اس کے لئے باعثِ شرف ہے اور یہ شرف وتکریم ہر فرزندِ آدم کے لئے ہے۔

☆☆☆

یہ عقیدہ بنالیا گیا کہ اسلاف میں سے جو کچھ کسی نے کہہ دیا ہے وہ منزل من اللہ' تنقید کی حد سے بالا ہے۔۔۔ہمیں اپنے اسلاف کی فکر کے نتائج پر آنکھیں بند کر کے چلتے چلے جانا چاہئے۔یہی اسلاف پرستی اس قوم کو لے ڈوبی۔

☆☆☆

کفر ہو یا ایمان' اس کا تعلق اعماقِ قلب سے ہے یہ اقرار جب تک دل کی گہرائیوں سے نہیں پھوٹتا اقرار کہلا ہی نہیں سکتا۔

☆☆☆

اگر کہنے والا اپنے دعوے کے ثبوت میں عربی کے چار فقرے پیش کر کے انہیں حدیث' صحابہؓ کے فیصلے اور ائمہ فقہاؒ کی رائے قرار دے دے تو کیا اس کے قول کو محض اس لئے دین مان لیا جائے گا کہ اس نے عربی کے ان فقروں کی نسبت حضور رسالت مآب ﷺ' صحابہ کرامؓ اور ائمہ فقہاؒ کی جانب کر دی ہے اور ایسا کرنے میں قطعاً نہیں شرمایا؟

☆☆☆

کفر و ایمان کے معاملے میں جور و استبداد انسانیت کے خلاف بدترین جرم ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس باب میں انسان کو اختیار وارادہ دیا ہے۔اب اس اختیار وارادہ کو سلب کر لینا' خدا کے فیصلے کے خلاف کھلی بغاوت اور شرف آدمیت کا سلب ونہب ہے۔

☆☆☆

جس طرح ذہنِ انسانی کے عہد طفولیت میں پیشوائیت نے دیوتاؤں کا وجود پیدا کیا تھا اور ان کے نام پہ سب کچھ روا رکھا جاتا تھا۔اسی طرح عہدِ جدید میں اسٹیٹ کے وجود کا بت تراشا گیا ہے۔صرف الفاظ بدلے ہیں روح وہی ہے۔

☆☆☆

اسلام یقیناً اپنے نظام کا تحفظ چاہتا ہے لیکن اس کے تحفظ کی قوت کا راز افرادِ ملت کے ایمانِ محکم میں ہوتا ہے جو دل کی گہرائیوں سے ابھرتا ہے۔جن لوگوں کو زبردستی ملت کے ساتھ باندھ کر رکھا جائے ان کا وجود نظام کے استحکام کی بجائے اس کی سخت کمزوری کا باعث ہوتا ہے۔

قرآنِ کریم نے قدم قدم پہ تدبر و تفکر اور تحقیق و تدقیق کی تائید کی ہے۔ اس سے قرآنی حقائق ہر زمانے میں بے نقاب ہوتے تھے۔۔۔۔لیکن جب اربابِ مذہب نے حکم صادر کر دیا کہ جو شخص کوئی ایسی بات کہے جو ان کے عقیدے کے خلاف ہو اسے مرتد قرار دے دیا جائے گا تو قرآن پہ تفکر و تدبر کا دروازہ بند ہو گیا اور امت کے ذہن پر تقلید جامد کے تالے پڑ گئے۔

☆☆☆

۔۔۔۔اسلام کی راہ کامرانیوں اور شادکامیوں کی راہ ہے اور کفر کی راہ ناکامیوں اور تباہیوں کی راہ۔ یہ اسلام پر قائم رہتے تو کامران و کامیاب زندگی بسر کرتے۔انہوں نے کفر کی راہ اختیار کر لی تو ان کی کامیابیاں ناکامیوں میں بدل گئیں۔۔۔

☆☆☆

جو بات قرآن کے خلاف ہے اسے ایک لمحہ کے لئے بھی قبول نہیں کیا جا سکتا۔اس لئے کہ صرف قرآن ہم تک محفوظ پہنچا ہے۔ اس کے علاوہ اور کسی چیز کی حفاظت کا ذمہ اس (اللہ) نے نہیں لیا۔

☆☆☆

ملا کو اس سے کیا غرض کہ قرآن کے ساتھ کیا معاملہ ہوتا ہے۔اس کا دین روایات پرستی ہے۔ وہ پرستش ہی اشخاص کی کرتا ہے۔ اس لئے وہ اپنے معبودوں کی سلامتی چاہتا ہے۔خواہ اس میں خدا باقی رہے یا نہ رہے۔

☆☆☆

صدمہ اس کا نہیں کہ عجم کے منافقین نے روایات سازی سے نبی اکرم ﷺ کی سیرت کو کس طرح مسخ کر دیا۔صدمہ اس کا ہے کہ آج ہمارا ملا کس طمطراق سے ان روایات کو دین بنا کر پیش کئے جا رہا ہے۔۔۔۔ دنیا انہی باتوں کو مستند قرار دے کر اچھال رہی ہے اور اسلام کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا۔

☆☆☆

اگر کوئی چیز خدا کے قانون کے خلاف ہے تو اسے خواہ ساری دنیا کی اقوام بطور قانون اختیار کر لیں ایک مسلمان کے نزدیک وہ باطل ہی رہے گی۔حق نہیں قرار پا جائے گی۔

☆☆☆

ملوکیت نے انسانی جسم کے لئے ہتھکڑیاں اور بیڑیاں بنوائیں اور پیشوائیت نے انسانی ذہن کی جکڑ بندیوں کے لئے عقیدے و ارادت کے دامِ ہمرنگِ زمیں تیار کئے۔ان دونوں کے باہمی سمجھوتے نے راجہ کو ایشور کا اوتار، بادشاہ کو ظل اللہ اور کنگ کو حقوق خداوندی کا حامل بنا دیا۔

☆☆☆

انسانی زندگی کے لئے صحیح معاشرہ وہی ہے جو وحیٔ خداوندی کی بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ چونکہ اس معاشرے کی بنیاد ہی ایمان پر ہے اور ایمان صرف اس وقت ایمان کہلا سکتا ہے جب وہ دل کی رضامندی سے قبول کیا جائے۔اس لئے اس معاشرے میں جبر و اکراہ کا تصور ہی ناممکن ہے۔

☆☆☆

اسلامی نظام اور قرآنی سٹیٹ میں جور و تغلب اور جبر و اکراہ کو کوئی دخل نہیں ہوتا۔ یہ اسٹیٹ ان افراد پر مشتمل ہوتی ہے جو اس راہ میں سر جھکانے سے پہلے دل جھکا چکے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

مطالب القرآن
فی
دروس الفرقان

مطالب القرآن فی دروس الفرقان کی پہلی اور دوسری جلدوں کے بعد تیسری جلد بھی زیورِطباعت سے آراستہ ہوچکی ہے۔ یہ جلد سورۃ الکہف اور سورۃ مریم پر دیے گئے دروس کی تسوید پر مشتمل ہے۔ قارئین طلوعِ اسلام کے تعارف کے لئے اس جلد میں چھپنے والے مکتوب اور پیش لفظ کے عکس کو محمد اشرف ظفر صاحب، نمائندہ بزم طلوع اسلام، لاہور کی خواہش کے احترام میں شائع کیا جارہا ہے۔

محمد سلیم اختر

مدیر ماہنامہ طلوع اسلام

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نقطۂ نظر

غلام باری، مانچسٹر

مہلت (Respite) کا وقفہ

افراد کی طرح اقوام میں بھی خدا کا قانونِ مکافات کارفرما رہتا ہے۔ جس کی رُو سے صحیح روش پر چلنے والی قوم کو عروج اور ترقی حاصل ہوتی ہے۔ غلط روش پر گامزن زوال و ہلاکت کے گڑھوں میں گر جاتی ہے۔ ہر عمل کا نتیجہ تو اسی وقت مرتب ہونا شروع ہو جاتا ہے لیکن وہ محسوس طور پر اسی وقت سامنے نہیں آ جاتا۔ عمل اور اس کے نتیجہ کے محسوس طور پر سامنے آنے کے وقفہ کو مہلت کی مدت کہا جاتا ہے۔ اگر اس دوران میں فرد یا قوم غلط روش چھوڑ کر قوانینِ خداوندی کا اتباع شروع کر دے تو اس کے سابقہ غلط اعمال کے تخریبی نتائج مٹ جاتے ہیں اور انہیں سامان حفاظت مل جاتا ہے۔ اسے توبہ یا مغفرت کہتے ہیں۔ قرآن کریم میں ہے کہ خدا کے قانونِ مکافات کی رُو سے غلط روش پر چلنے والی قوم کی گرفت فوری نہیں ہو جاتی خدا مہلت دیتا ہے اور مہلت کا مل جانا خدا کا فضل ہے تاکہ یہ اس میں اپنی اصلاح کر لے۔ قرآن میں غور و فکر سے عجب بات سامنے آتی ہے وہ یہ کہ ہم پاکستانیوں کی مماثلت قوم بنی اسرائیل سے پائی جاتی ہے۔ وہ مصر سے ہجرت کر کے سینا کی وادی میں آئے تھے ہم بھی ہندوستان سے ہجرت کر کے پاکستان آئے۔ انہوں نے حضرت موسیٰؑ کی غیر حاضری میں گؤ سالہ پرستی کا شرک کیا ہم بھی قائداعظمؒ کی وفات کے بعد پارٹی بازی کے عذاب اور فرقہ بندی کے ناقابل معافی شرک میں مبتلا ہو گئے۔ انہوں نے تورات میں تحریف کر کے اسے پسِ پشت ڈالا، ہم نے بھی اپنے معتقدات اور رسومات کی رسیوں سے قرآن کو جکڑ کر مہجور بنا رکھا ہے۔ یہودی علماء نے خود وضع کردہ عقیدہ ''وحی غیر متلو'' کی رو سے روایات جمع کر کے اسے تورات کا درجہ دے دیا۔ ہمارے علماء مشائخ نے ''وحی خفی'' کے عقیدہ سے جھوٹی سچی روایات کو قرآنِ کریم پر قاضی ٹھہرا دیا۔ انہوں نے اپنے پیغمبر حضرت موسیٰؑ کو طرح طرح کی اذیتیں پہنچائی تھیں۔

ہم نے بھی اپنے بداعمال اور مصنوعی نسبت سے نبی کریمؐ کے مقدس نام اور اسلام کو ساری دنیا میں بدنام کیا ہوا ہے۔ یہود کو اپنی غلط روش کی وجہ سے 1878 سال ذلت آمیز زندگی بسر کرنے کے بعد غیروں کی پشت پناہی سے دوبارہ اپنا ملک ملا۔ سورۃ الحج میں مذکور ہلاکت انگیز تباہی و بربادی میں گرفتار اقوام کی طرح ہمارے دریاؤں کا پانی بھی ناکافی ہوتا جا رہا ہے، اوپر سے بارش بھی کم ہی ہوتی ہے اور آہستہ آہستہ نیچے کنویں بھی بے کار ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ معاشرہ میں روز بروز ناہمواریاں اور برائیاں بھی ترقی کرتی جا رہی ہیں۔ ہمارا ملک تباہی کے کنارے پر کھڑا ہے۔ 1947ء والے مقام پر دوبارہ آنے کے لئے بہت صدیاں درکار ہوں گی۔

اللہ نے اپنے کرم سے ہمیں پاکستان کا خطۂ زمین، لا الٰہ الا اللہ کی صداقت کا زندہ و محسوس اور عملی ثبوت بہم پہنچاتے ہوئے قرآنی نظام کے تحت زندگی بسر کرنے کے لئے عطا کیا تھا۔ 57 سال کے لمبے عرصہ کی مہلت ملنے کے باوجود ہم اپنا عہد پورا نہ کر سکے۔ 6 جنوری 2004ء سے ایسا نظر آتا ہے کہ اب مہلت کا وقفہ گریجوایٹ ارباب حکومت کے بھارت کے سامنے قیام کی بجائے سجدوں، دانشوران قوم کی اندھی بصیرت اور پاکستان مخالف حضرات کی امنگوں کے مطابق بھارت کے ساتھ کنفیڈریشن کی صورت میں پورا ہوا چاہتا ہے جس کی رو سے پاکستان کے حصول کا مقصد فوت ہو جانے کے ساتھ ساتھ کشمیر کا مسئلہ بھی خود بخود حل ہو جائے گا اور نیوکلیئر اثاثے پرکاہ کی طرح ناکارہ ہو جائیں گے۔ ناامیدی گناہ ہے ابھی وقت ہے! اگر ہم چاہیں تو بچاؤ کی صرف ایک ہی صورت ہے وہ یہ کہ سورۃ حج کی آیت نمبر 38 کے مطابق عملی طور پر قوانین خداوندی پر ایمان لانے سے اللہ کی طرف سے، ہر قسم کے شر و ہلاکت اور انسانی سپر پاور کی اسکیموں سے مدافعت ہو جائے گی۔

A MAN FOR ALL SEASONS!

By

Aboo B. Rana

==========

Neither the present day pretentious journalist, I am confident, is of any interest to anybody, nor are the biased historians of any use. To be an honest connoisseur on Allama Parwez's thoughts is not easy; as no one was able to respond cogently, to his questions, during his lifetime. Even today, after he is gone, his books and literature is not found on the streets commonly, or available in bookstores in the market, as he was not a common man. Having had, I frankly admit, the privilege of growing up in the same dilapidated city of Lahore, from where he chose to speak his mind, I was able to make a little meaning of what this life is all about.

In order to define 'Parwez,' one must have a clear picture of the historical circumstances he went through in his lifetime and of the modern world situation as it exists today. Only then a person will be able to reach his mind and the message that he was trying to deliver in his life, in his speeches, as well as through his writings. It shall not be possible for me to cover all the events that happened in his lifetime in one sitting, however I may attempt.

Unfortunately, we have all grown up in an atmosphere of pseudo or so-called Islam in the Indo-Pak subcontinent. Most of the Islam, which we have imbibed and practice today, belongs to the descendents of the Mongols, the off-springs of Halaku and Ghangez Khan, who came to India after conquering Persia. To these intoxicated Mongols there was, in the game of Life, nothing else but power. Hence the distorted and decadent Islam in Persia of luxury, pomp and show was the main cause of attraction for the Mongol conquerors. Even till today, we come across the sentence, *"Jan ki amaan pa'oon to arz kar'oon"* (may I speak, if my Life is spared) in our *Urdu* movies. This kind of fear in the minds is unheard of in original Islam. But then the original Islam had long been blown away in the gale of conspirators. The one and only pure Islam that had been revealed to Muhammad^{SAW}, was now polluted in myths, customs and traditional germs of perpetrators, and slashed into Sunni and Shi'ite sects mainly. How and why these germs slunk into Islam, is an important but a separate subject by itself and beyond my main intent in this epistemology.

In every period, whenever, acceleration in the transitional pace of human history is felt and observed, one factor stands out dominantly and overshadows other causes. That is, when worn out habits and rusted traditions no longer ensure security of life and peace of mind of the average individual, of any culture, society or nation, it is time for a change. The story of Pakistan, in this context, is no exception. During

the formative years of Pakistan, a feeling of unrest and confusion was observed in the world population. The confusion, indeed, that lingers even till today, is all due to the stark fact that Humankind has lost sight of the universal principles of Life in particular and is therefore disillusioned with the prevailing state of affairs in general. Consequently, we decry Einstein, who came up with his relativity theory in the field of science. In other words, he apparently seems to have done away with the absolute. Worldly wise in the east, we saw China, who was feeling choked, suppressed and strangled under the imperialist regime of Chiang kai Shek's officials. The European west, of which London and Paris have been the hub, had done away with Christianity or religion and was now becoming wary of science also. All this unrest in the world and the dismal feelings of discomfort in the prevailing conditions, ultimately magnified and gave rise to the two unspeakable World Wars. Consequently, leaving the global population fatigued, depressed and in turmoil, in its aftermath.

In the backdrop of this scenario, there were bound to arise great minds who had the acumen to rekindle the spark of hope and bring back the energy in the flickering spirits of desperate hearts, so that Life may be able to breathe some fresh air and take its natural path once again. Needless to say, this was no easy task. In the Islamic renaissance, in our very recent past, we got personalities like Sir Syed Ahmed, Dr. Allama Iqbal and the cutting edge enthusiasm of M. A. Jinnah in south Asia. These three giants worked towards bringing freedom in the lives of Indo-Pak Muslims, within the parameters defined in the Quran. They refused to read this world with an intoxicated mind. Their message was food for thought for the Muslims who were slumbering in the conventions and norms, in which the present Life is nothing else, but an empty dream or a *"Na' tuck"* (play) of the *E'eshwer* (Hindu God).

Instead of taking revenge or begging *baksheesh* from their worldly rulers, these personalities rose above the situation and showed the so-called 'educated class,' how to beget freedom without arms or ammunition. This was the one and only characteristic that set these reformers apart from the rest of the freedom fighters of the world. They were in the footsteps of the Messenger who brought the message of Islam. They were certainly and for all intents and purposes, a different breed of leaders. They convinced the world of their cause, in spite of the sleazy conspiracies and underhand tactics of their adversaries. Those conspiracies are, even in our times, very much present. But we refuse to get together and do something about it. The adversaries of Islam, time has proved, have not refrained from stooping to unprecedented limits historically. It appears, this is the first time in Muslim history, any group of Muslims leaders upheld the rule of Quran, after the Caliphate period. They succeeded in carving a niche for the Indo-Pak Muslims, in the tormented and selfish world that mankind has made for itself. Once more we observed, these gigantic personalities, trying to transform human history to merge it with divine forces, rather than letting humanity unite as a secular force.

Their message, 'if anyone is still interested to know,' of which I am quite sure there has to be someone interested, can be applied even in the present day. The message was, come what may and without compromising on our principles *'Struggle for freedom and peace, in a peaceful way!'* I do not desire to give details of the *modus operandi* of these giants, or the sacrifice they made for the Muslims of the subcontinent, to reach their goals, as this is not the intent here. Moreover, numerous material has been and is being published, for and against their awe inspiring ideology of Islam. These giants of Muslim renaissance, not only changed the map of this world, they refreshed the ethos, psyche and nomenclature of Muslims residing in south Asia. Not only, did these giants helped to give birth to a new nation; they inspired a new mind on the lines of Quran, a mind who devoted all his life, explaining to the world, what was the true idea behind the making of Pakistan. That mind was 'Parwez.' As I begin to write about him, I fall short of words with my limited vocabulary. Just like the single word 'eye' contains all the vastness and characteristics that several volumes are needed to explain its meaning, so goes with the word 'Parwez.' He was not a word; he was an institution. We may say, he is the last in the present group of reformers in Indo-Pak history, but he certainly is not the least. Like all great thinkers and reformers he shall remain a controversy for the average individual. The average person, buried under the muck and pollution of traditions and conventions of his times, as in all ages, is unable to think beyond his daily mundane affairs, unless his life is shockingly disrupted.

The salient qualities of Parwez's personality were, as far as the practical world is concerned, that he was a true and faithful husband, he had a social standing; he also had a remarkably acute musical ear. Above all he lived a simple life. He kept himself thoroughly informed about the political situation of his times, yet he never yearned for worldly power. His weekly lectures on Quran I had attended left me speechless. I have listened to sermons of other preachers also, on Islam and Christianity in particular. Without any prejudice, I can say, his feelings for human life that vibrated in his voice, when he lectured, could not be found in any other that I heard in my lifetime. Never have I ever witnessed a heart cry out for humanity so painfully, as I did of Allama Parwez, whenever I listened to his lectures. Foreign powers invited him, as I was told through reliable sources, to come and preach Islam from their homeland. He could not understand, as to how any society of exploiters would allow a person like him, who was all out against exploitation, to speak or write against their system. First of all, he never claimed to include himself in the category of 'preachers' of religions. He always called himself a student of Quran, who was only projecting the Book according to his understanding. Preachers tend to monopolize, whenever and wherever the question of religion comes in.

Preachers think that they are the sole owners of Allah, just as before Islam, the rich claimed to own the Ka'aba. Who gave them this authority to own, is everybody's

question. And this is where Parwez differentiated himself from the rest of the preachers on religion. Secondly, the word 'religion' was repugnant to his mind when it was associated with Islam. According to my understanding of his thoughts, ***Quran is not the story of Allah***, as that Entity lies beyond human comprehension. ***Quran is the story of Human species,*** narrated by its creator, called Allah. Islam according to him, as with his predecessors, was a way of living in this world, as prescribed in the Quran. Quran calls that system 'Deen.' It is not a private matter between man and his Creator. Of course, there must not be any two opinions over the fact that we are all accountable to Allah and will be questioned by Him for what we did in this world we will be questioned on how we behaved and dealt with our fellow human beings. When we seriously consider our manners of dealing with one another; the moment the situation of interaction of one individual with another comes up, we give birth to a society, a culture or a nation. And every nation has its own peculiar rules and regulations, by virtue of which it claims its own separate identity. In order to apply the guidelines of Islam as described in the Quran, we have to free ourselves of all foreign interference, in order to exercise our rights as Muslims. And we can only free ourselves from internal as well as external exploiters, when we unite under the one and only Quran that was revealed 1400 years ago. Our foremost priority must be to safeguard the Muslim community from hypocrites; it is only then we will be paving the way towards unity. His whole life was a crusade against hypocrisy, which he thought was corroding the mind of Muslim community. His worst adversary was the *'Jamat-i-Islami'* founded by Mr. Abul Ala Maudoodi. Mr. Maudoodi always went with the flow of times in his lifetime. This made Parwez totally fed up with the institution of religious preachers, as they misguided the simple folks. In his book on the Islamic thinker Dr. Iqbal, titled, ***Iqbal aur Quran***, he asks the Muslim scholars and preachers, for an answer to his one question. That being,

> ***"Within the confines of the Book (meaning Quran) and Sunnat (gospels of Muhammad^{PBUH}) is it possible to comprise a set of public laws, which will be agreed upon by all different Muslim sects unanimously?***
>
> ***Mr. Maudoodi has denied this possibility in clear words. And if other Muslim scholars can think of any possible way to this predicament, then it becomes their immediate duty to establish a set of public laws. By doing so they will be solving all those problems that are the cause of suffering, a menace and are demoralizing the nation for the last thirty years. Page 119, 4th edition 1996.*** (The words within brackets are personal addition of the writer.)

His whole life was a battle against ignorant, stubborn and bull-headed egotists of Islam.

The conventional Islam that was, and is still being preached by most of the Muslim scholars and practiced, is of no hindrance in any country of the world. But the meaning and outlook on Islam that Parwez inherited from his predecessors, has a completely unique perspective. Islam is not about flattering Allah through prayers and other rituals. We cannot bribe Allah – thinking in such a manner is outrageous. Islam is about bringing peace in the family of humanity. Islam is living Life to your maximum. The Islam he propagated was about giving to others, whatever we possess beyond our needs, rather than snatching goods from others. Islam he explains in his literature, is not about exploitation; it is about exploring Life, for which we need knowledge. If Islam's constitution is brought and established in *aggression*, then how can anyone claim Islam to be superior, if we compare it with other systems? Whether the other system is of Imperialism, Communism, Zionism or Halaku Khan. And with all due respects, even the Islamic revolution in Iran did not come about in a peaceful way. Again, it is not relevant here to go into its details. Suffice it to say, all the Islamic Wars that Muhammad[PBUH] strived in, were all in defense and for the purpose of survival. As a matter of fact, the Muslim calendar did not start, when the battle of Badr was won, or the day Muhammad[PBUH] was born, or on the first day of revelation of Quran. The date of Muslim calendar starts, when a handful of Muslims separated from the pagans of Mecca, to become an independent autonomous body. They now had there own rules and regulations; rules that were different from the ruthless pagans and the rituals of idol worshippers. Islam is not a set of rituals, it is a set of rules to be applied in our day to day life, according to our geographical and environmental conditions. Let me give you one example - How can a Muslim fast in the month of Ramadan, in the north part of Scandinavian countries, where one day is equal to more than one month? No human can survive, on an empty stomach, for one month. And Islam was not revealed to make our lives miserable! Ultimately, under these circumstances he or she will have to refer to the timings of Ka'aba, as that is the center of all Muslim countries. They will either have to work out and change their working hours, sleeping time and other daily errands according to the timings of Mecca of *sehr* (eating in the morning before sunrise) and *iftar* (eating after sunset), or else leave the area, if they desire to fast.

Who knows, some day in future, when all the Muslim countries unite, we may one day synchronize our clocks with Mecca and perform all our prayers not only towards one direction, but also with one heart beat? But we have a long, very long journey before us. We have yet to establish a set of rules, and get rid of the hopeless sects in Islam. (*The word **Iblees** in Arabic means hopelessness.)* For that we urgently need the firm, positive outlook on Islam of Parwez and his predecessors, who lived there lives, according to the Quran. Otherwise there is every possibility of another Mullah Khoemeni, coming to power and blowing the heads off of these exploiters strangling Pakistan. Unless these exploiters are willing to change their way of life publicly. In order to keep our surroundings clean, we need to, first of all, keep our

hearts clean. Though the eyes of Parwez are shut now, his thoughts are still open, for whosoever is eager to learn. On numerous occasions, he proclaimed in his writings and speeches, very clearly to those who monopolized Islam, to first unite the country under one set of values, in the spirit of Quran and then try to wield the public, if they sincerely want peace in this world. There will be preachers, but another Parwez?…... I doubt it! As said the great man before him:

Though in the words and their meanings are yet the same;
The call of *Mullah* and the call of Muslim, both have a different aim.

The government allows people to celebrate the death anniversary, with all fervour, of saint Data Gunj Baksh in Lahore and so many other Muslim saints, which have been made famous by the followers of mystic school of thought, in different areas of Indo-Pakistan. How many of these Muslims remember the birth or death anniversaries of the close associates of the Messenger? In other words the four Caliphs of Islam - Abu Bakar^{R}, Omar^{R}, Usman^{R} *(the western Islamic scholars have changed his name now to Ottoman in history books, in case the new generation does not know)* and last but not in the least Ali^{R}. Except Abu Bakar^{R}, the rest three of them are martyrs. According to Quran, martyrs must not be called dead; they are alive, and we do not know. Must we not consider these martyred Caliphs more important than the saints? That in short, I learnt from the writings of Parwez. He was certainly not a narrow minded thinker on Quran. He was a man who will not be ignored in Muslim history, for seekers of truth. As he was himself, from his inner core, a man after Truth - He shall remain, a man for all seasons!

==========

Liberty as defined in the Quran

An excerpt chapter from the English translation of Quran aur Pakistan

By
Saleena Karim

==========

The Quranic System

As we have seen above, the basic hypothesis of democracy is that the right of authority, or power, belongs to the people. People have the right to govern themselves, and the representatives of the majority thus have the right to make laws and legislations. The Quran completely refutes this hypothesis as being false. According to the Quran no person or group has the right to have power over people (3:78). This fundamental principle of the Quran therefore confirms that this principle of democracy is flawed, and at the same time it makes the meaning of slavery and freedom very clear. According to the Quran, whether people are under occupation or even governing themselves, they are still slaves, unless they follow the Quranic system. From this the meaning of Iqbal's response to Maulana Hussein Ahmed Madni also becomes clear:

> 'The liberty that you speak of may be acceptable to the Hindus but it cannot be so for the Muslims. The meaning of liberty in the Islamic context is different. … Muslims cannot support a movement which in the long term will merely replace the British with another similar government. What is the point of removing one falsehood only to replace it with another?'

The authority belongs only to Allah

If no human has the right to govern people, then who does? Allah's intention cannot be that people exist without a social system; in fact, He states in the Quran that a social structure is absolutely essential.

إِنِ ٱلْحُكْمُ إِلَّا لِلَّهِ

... the right to exercise authority belongs only to Allah. (12:40)

وَلَا يُشْرِكُ فِى حُكْمِهِۦٓ

... nor does He share His sovereignty with anyone. (18:26)

Rather, He is saying that the right to govern the people belongs exclusively to Him.

ذَٰلِكَ ٱلدِّينُ ٱلْقَيِّمُ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ ٱلنَّاسِ لَا يَعْلَمُونَ

He has enjoined that we should obey none but Him. This is the right Deen but most people do not know this. (12:40)

People feel they have achieved freedom each time they change the form of their government to replace the outmoded model; but changing the form of the problem doesn't take it away.

The Western thinkers appreciate this fact more than most people. Why then, is there a reluctance on their part to openly admit that humans require a Higher form of guidance? The answer is simple. When the West first ventured into democracy, it was because the people had grown extremely weary of living under the oppressive rule of both monarchy and theocracy. Those feelings were so strong that they remain fresh in their memory even today. The people of the West are afraid of falling into an old trap. Prior to the advent of democracy, the priests had told people that they were incapable of governing themselves, and that they needed the Divine authority to prosper. They had preached that since they were 'representatives of God', they had been entrusted with His authority in His place. Hence, they had claimed, a government run by the church would be God's government. This was how theocracy had come to power; yet it had turned out to be an even worse system than monarchy.

It was much harder to topple theocracy, than monarchy, since monarchy was always considered to be a political rather than a religious issue. However any rebellion against theocracy was in effect a rebellion against the Word of God. Hence it comes as no surprise that the West do not wish to return to theocracy; but perhaps they should ask themselves whether theocracy and Higher Law are in fact mutually exclusive?

Allah's Book as the only authority

God states in the Quran that His government will be established through His Book (i.e. the Quran), in which no one will be able to interfere, since He does not entrust His authority to any human. To explain this fact clearly, the Rasool was asked to tell the people:

أَنزَلَ إِلَيْكُمُ ٱلْكِتَٰبَ مُفَصَّلًا

O Rasool, ask them: "Do you want that I should seek an authority other than Allah, when He has sent down for you the Book which states everything in detail?" (6:114)

From this two things have become clear. Firstly, theocracy only came into power because there was no Book (i.e. in its original form) present which could

provide the legislations of a social system. Hence when people professed faith in God, they had to look to the religious leaders for guidance. Secondly, the verse above (6:114) contains a deeper wisdom; and this is that no one should have God-entrusted authority. If there was anyone who had a right to God-entrusted authority it was the Rasool himself – but even he was not given the privilege. When the Rasool referred to 'God's government' he meant that the Book (as a legislative constitution) is the authority. Hence the very notion of human beings acting as God's representatives is immediately falsified. Furthermore, the people who end up working for the True government are simply acting as administrators of the Book (they are not entrusted with the authority, nor can they alter the Laws in the Book). Whoever wholly accepts this fact as true has *Eiman*, and anyone who denies it is *kufr*.

وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ فَأُوْلَٰٓئِكَ هُمُ ٱلْكَٰفِرُونَ

Those who do not decide their affairs according to what Allah has revealed – they are the ones who are the K'afireen. (5:44)

Soon after this Allah tells the Rasool to:

وَأَنِ ٱحْكُم بَيْنَهُم بِمَآ أَنزَلَ ٱللَّهُ

... Judge between them by what Allah has revealed ... (5:49)

Therefore the Creator has reiterated that the Divine government is not theocratic; rather it is a government of His Book. The Quran has labelled every authority (other than Allah) as *thaaghuut* (meaning evil, derived from the word for an evil deity of the pre-Islamic Arabs; also known as the devil). Allah describes the difference between *kufr* and *Eiman*:

يَكْفُرْ بِٱلطَّٰغُوتِ وَيُؤْمِنۢ بِٱللَّهِ فَقَدِ ٱسْتَمْسَكَ
بِٱلْعُرْوَةِ ٱلْوُثْقَىٰ لَا ٱنفِصَامَ لَهَا

Whoever turns away from evil and believes in Allah, has grasped the most trustworthy hand-hold which never breaks. (2:256)

The Quran also describes the people who claim to believe in the truth of the Revelations, but in practice:

أَن يَتَحَاكَمُوٓاْ إِلَى ٱلطَّٰغُوتِ

... They desire to take their disputes to authorities other than Allah although they were asked to reject such authorities. (4:60)

From this it has become clear that the practical meaning of *Eiman* is to accept Allah's authority alone (i.e. His Book) with full conviction. The rejection of this in favour of any other authority is *kufr.* We have seen that Allah has described this Book as one which gives everything in detail (6:115). He has also said:

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَـٰتِهِۦ

Allah's laws based on truth and justice have been set forth in this Book in a complete form. None has the authority to make any change in these laws for He hears and knows all. (6:116)

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا ٱلذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُۥ لَحَـٰفِظُونَ

There is no doubt that it is We who have bestowed this Quran step by step and it is We who shall see that it is guarded (from corruption). (15:9)

See how in the West, modern thinkers have been searching in vain for the perfect system; they have already begun to appreciate that a system run on a Higher authority is the only solution to humankind's problems, but they cannot find it. If the Quran was presented to them as it should be that they would likely adopt it with zeal. However there is an obstacle preventing the Quran from being shown to the West. This will be discussed in due course.

As far as the Muslims are concerned, obedience to the Laws in the Book is the way to freedom. It doesn't matter which nation establishes these Laws in practice. As long as it does so it is free; otherwise it is a nation of slavery, whether it is being governed by its own native people or by foreign nationals. Allah states in this regard:

لَمْ يَكُنِ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ مِنْ أَهْلِ ٱلْكِتَـٰبِ

وَٱلْمُشْرِكِينَ مُنفَكِّينَ حَتَّىٰ تَأْتِيَهُمُ ٱلْبَيِّنَةُ

Those who reject (*Deen*)*, among the People of the Book and among the Polytheists, were not going to depart* (from their ways) *until there should come to them clear Evidence* (i.e. *Wahi*)*;* (98:1)

رَسُولٌ مِّنَ ٱللَّهِ يَتْلُوا۟ صُحُفًا مُّطَهَّرَةً

They have received this Wahi through the Rasool, who presents to them verses which are pure and free from defects; (98:2)

فِيهَا كُتُبٌ قَيِّمَةٌ

Wherein are laws right and straight. (98:3)

In other words, the Quran contains unchangeable Divine Laws. True freedom can only be achieved by following the Book, which will free people from the shackles of man-made systems (7:157).

Defining sovereignty

It has already been said that the duty of the Islamic governing body is to act as the administration, with no power to invent its own laws. Its responsibility is purely to implement Allah's Laws. The Quranic term for this is *As'takhlaf-il-arz*. The word 'Caliph' is derived from this term and it has nothing to do with any notions of 'God's representative'.

(Note: Incidentally, The common belief amongst people that Allah appointed Adam as His Caliph is not stated anywhere in the Quran. In fact it comes from a Christian tenet that God entrusts His authority to His representatives – i.e. the Church. It was this misconception that inspired the person who called Hazrat Abu Bakr 'Allah's Caliph'. Hazrat Abu Bakr was quick to chide that person for doing so, and he said: 'There can be no Caliph of Allah. I am only the Caliph of the Rasool.' Hazrat Omar removed any remaining doubt in the minds of the people when he chose to call himself *Amir-ul-Momineen* (Leader of the *Momineen*) instead of 'Caliph'.)

Returning to the subject at hand, we were looking at the fact that the Islamic governing body serves to implement Quranic Laws. In ancient times when power used to come into the hand of individuals (i.e. warrior-type leaders rather than groups), likewise the Prophets of the time used to be alone responsible for administering their respective (usually small) nations. Regarding David (P) the Quran states:

يَـٰدَاوُۥدُ إِنَّا جَعَلْنَـٰكَ خَلِيفَةً فِى ٱلْأَرْضِ

فَٱحْكُم بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِٱلْحَقِّ

O David! We have granted you control over the kingdom, so that you can decide on people's affairs with complete justice and equity in Truth (i.e. in accordance with the Divine Laws). (38:26)

However as humanity came to intellectual maturity then the epoch of individual rulers came to an end, and humanity entered a new age. The Rasool (SAW) appeared on the line between these two ages. The End of Prophethood itself marked this crucial stage in human history. At this stage, instead of belonging to a ruler or select few, the power was diverted back into the *Ummah*.

وَعَدَ ٱللَّهُ ٱلَّذِينَ ءَامَنُواْ مِنكُمْ وَعَمِلُواْ ٱلصَّٰلِحَٰتِ
لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِى ٱلْأَرْضِ

Allah has promised, to those among you who believe and work righteous deeds, that He will grant them authority on the earth, as He granted it to those before them; and as a result of their Eiman and righteous deeds, He will grant them rule over the land ... (24:55)

This promise from Allah (i.e. His Inviolable Law) means that whoever establishes law and order in accordance with His principles will achieve *As'takhlaf-il-arz* (i.e. *rule over the land*). This has already been shown in practice 1400 years ago, at a time when every nation was governed by powerful individuals, and not a single person could have even envisaged such a concept. Therefore the Islamic concept was a revolutionary one. Rousseau's philosophy regarding democracy and the subsequent French Revolution is, by comparison, relatively recent news. In the time of the Rasool the Quranic system decreed that the *rule over the land* belonged to the Muslim *Ummah*. Hence the *Ummah* was told that when it came to implementing this Law in practice, no decision would be left to any one individual. The decisions of the state would require mutual consultation.

وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ

(They) *decide their affairs through mutual consultations* (42:38)

Even the Rasool was not exempt from this Law. He was told that he must consult with his Companions in issues of the state (3:159). Hence with the introduction of this Law the Quran has instantly abolished monarchy, dictatorship, and theocracy. It has already been mentioned that establishing *As'takhlaf-il-arz* is not the final objective as far as humanity is concerned. It is in fact one step towards a higher goal – which is to put humanity onto the evolutionary course that Allah has chosen for it.

وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ ٱلَّذِى ٱرْتَضَىٰ لَهُمْ

He will grant them rule over the land and change (their state) *from one of fear* (in which they lived before)*, to one of security and peace* (in which they are free to develop their potential). (24:55)

Enjoin the right …

The Quran repeatedly states that the duty of the government is to *enjoin the right and forbid the wrong*, to the extent that it has become a well-known phrase. In fact its true meaning is that the government is responsible for ensuring that the state adheres to the Laws of the Quran and does not follow any law that contradicts them.

وَءَاتَوُاْ ٱلزَّكَوٰةَ ٱلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّٰهُمۡ فِي ٱلۡأَرۡضِ أَقَامُواْ ٱلصَّلَوٰةَ
وَأَمَرُواْ بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَنَهَوۡاْ عَنِ ٱلۡمُنكَرِۗ

If We bestow on them the authority to rule, they will establish Salat (so that everyone in society follows the system of Divine Laws). *They will provide means of development to everyone* (*Zakat*)*, enjoin the right and forbid the wrong* (i.e. enforce Laws which are in conformity with the Divine Code) (22:41)

To reiterate an earlier point, the responsibility of rule rests not merely on an individual leader or group, but on the entire *Ummah*. In 3:109, it is written:

كُنتُمۡ خَيۡرَ أُمَّةٍ أُخۡرِجَتۡ لِلنَّاسِ تَأۡمُرُونَ
بِٱلۡمَعۡرُوفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ ٱلۡمُنكَرِ

You are the ideal Ummah, modelled (i.e. trained to be an example) *for humankind. Your responsibility is to enjoin what has been recognised to be right and to forbid what is considered wrong*. (3:109)

The Rasool, the first leader of this system, was told the same (7:157). Leaving the *Ummah* aside, not even the Rasool has the right to make any changes in the Law, and this point is emphasised repeatedly in the Quran.

During the Rasool's time, the opponents of Allah's Law said that they were willing to become involved in establishing the System, but under one condition: that the Rasool should make some minor alterations in the Law. In response to this the Rasool said:

مَا يَكُونُ لِيٓ أَنۡ أُبَدِّلَهُۥ مِن تِلۡقَآيِٕ نَفۡسِيٓۖ إِنۡ أَتَّبِعُ
إِلَّا مَا يُوحَىٰٓ إِلَيَّۖ إِنِّيٓ أَخَافُ إِنۡ عَصَيۡتُ رَبِّي عَذَابَ يَوۡمٍ عَظِيمٖ

… *Say: "It is not for me to make any changes therein according to my wishes. I follow only that which is revealed to me. If I disobey my Rabb, I fear the chastisement of the Day of Reckoning."* (10:15)

Herein is a very important point: The Rasool says that he has no jurisdiction to change the Laws, because even he cannot escape punishment if he were to interfere in Allah's Law. From this it is clear that obedience must only be to Allah's Law (i.e. The Quran). The Islamic government is the administrating body for ensuring obedience to the Law.

No human has the right to sovereignty

Upon examining the above, we come to the conclusion that this principle is fundamental for the Islamic government. There is no more to be said. This is the charter upon which true freedom for humanity is based, and it is summed up in the following verse:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤۡتِيَهُ ٱللَّهُ ٱلۡكِتَٰبَ وَٱلۡحُكۡمَ
وَٱلنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُواْ عِبَادٗا لِّي مِن دُونِ ٱللَّهِ
وَلَٰكِن كُونُواْ رَبَّٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمۡ تُعَلِّمُونَ ٱلۡكِتَٰبَ
وَبِمَا كُنتُمۡ تَدۡرُسُونَ

It is not possible for any human being – even though Allah may have given him a Code of Laws or the power to enforce it, or even Nubuwwat (declared Prophet) *– has the right to say to the others: "You should obey me rather than Allah." On the contrary he should say: "You should be amongst those who belong to Allah by following His Book which you study and teach to others."* (3:79)

This charter of freedom declares that there should be no system in which a human is subordinate to another, whether it is in the form of one with an individual leader, a political party, or indeed a Prophet. In the Islamic system obedience is only to Allah's Book. That system has a unique quality:

Here no one is deprived and has to beg,

There are no servants and masters, no rulers and ruled.

It was in order to achieve this freedom that Pakistan was acquired. However we have yet to fulfil the objective. We have not had a system based on the Book for even a day, which is why we have not seen the freedom promised by Allah. Sadly, Pakistan has not even implemented democracy properly as the West has done, let alone Quranic freedom. One way or another dictatorship has remained, which is the worst form of slavery. Our priesthood claims to declare a war on this dictatorship, but at the same time it supports democracy to the point of labelling it Islamic (in the sense that the decision of the majority is always seen to be right).

System of the majority

In Pakistan the biggest claimant to advocating *Deen* is the late leader of the party Jamaat-e-Islami, Abu-al-Allaa Maududi. He was in strong opposition of the partition. He argued:

> 'If anyone thinks that Muslim populated (in majority) areas will become free of Hindu domination, and thereafter can establish a democratic system; and furthermore they think that this will be like establishing Allah's system, then they are mistaken. In fact the resulting system will be worse than a *kaafrana* (false, derivative of *kufr*) government.' (*Muslims and the Present Political Struggle* (Urdu), *Part 3*, P.131)

After Pakistan's independence, during the election campaign (of President Ayub), Abu-al-Allaa Maududi wrote in an article for a newspaper:

> 'If a Hindu supports democracy, then I will support him, because he has accepted the principle of majority rule in the state.' (*Imrose*, 20th August 1963)

Furthermore he also claimed in a magazine that the principle of majority rule was acceptable in *Deen*:

> 'If the *Shari'at* (i.e. *Deen* constitution) is to be implemented in this country (which no Muslim can refute), then the democratic formula (i.e. majority rule) is the means to do so. The majority of Muslims accept this; hence the majority of Muslims in this country are Hanfi (followers of Imam Abu Hanifa). Therefore the *Shari'at* should be based on Hanfi principles.' (*Tharjamaan-al-Quran*, June/July 1952)

Hence today the Jamaat-e-Islami is campaigning to enforce *Shari'at* based on Hanfi doctrines (Translator's Note: Hanfi is more commonly referred to as the Sunni sect). As I (Parwez) have said many times before, I have no affiliation with any sect. That's why I don't advocate any particular sect, nor do I oppose it. I am merely a

student of the Quran and my duty is to clarify the Quran's stance on every issue raised herein. In the teachings of the Quran there is no standard for public opinion – based on majority versus minority – to decide on affairs of the state. In fact the Quran makes a clear statement regarding the 'majority':

وَإِن تُطِعۡ أَكۡثَرَ مَن فِي ٱلۡأَرۡضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ ٱللَّهِۚ

إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا ٱلظَّنَّ وَإِنۡ هُمۡ إِلَّا يَخۡرُصُونَ

O Rasool, if you were to follow the majority in the land, they would lead you astray from the path of Allah. They simply follow their own surmises and indulge in conjectures. (6:117)

Even Maududi recognised this fact, because he said:

'Islam doesn't accept the opinion of the majority as a standard with which to determine truth. In Islam it could happen that the opinion of one person is the only correct one in an assembly, but that doesn't mean that because the majority are against him the truth is suddenly not so.' (*Political point of view of Islam* (Urdu), P.45-6)

Therefore to say that a given ideology or school of thought is the true one because it has the most followers cannot be correct. It is acceptable in the rules of Western democracy, but not so in the Quranic Ideal. Isn't it astonishing that Western thinkers themselves are conceding to the fact that the majority is not always right, whilst the Muslims, supposedly the advocates of *Deen*, are adopting this concept as part of the Truth? The Western thinker Robert Briffault writes in his book, *The Making of Humanity*:

'What is true of absolute power is correspondingly true of all power whatsoever in every form and in every degree; whether it be the power of privilege, or of the strong hand, of money, of mere intellectual authority, whether it be that of a ruler or that of a Jack-in-office, of priest or demagogue. It results in injustice not because men are wicked, but because power corrupts moral judgement. The power of an autocrat is not indeed by any means the worst evil. Far more deeply pernicious is that of a class; for the authority of the approved morality it creates is proportionate to the numerical strength of that class. The very worst and most immoral tyranny is that of a majority.' (Robert Briffault, *The Making of Humanity*, P.273)

The Quran states:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُم بِٱللَّهِ إِلَّا وَهُم مُّشْرِكُونَ

Most of them profess belief in Allah yet continue to practice shirk. (12:106)

I have never issued a *Fatwa* (decree) against anyone to accuse them of being a *K'afir* or *Mushrik*. God forbid that I would ever have the audacity to do so. However I have a duty to explain in detail whatever the Quran states as being *shirk*. The question is: how do we deviate and become *Mushrik*, though we claim to profess *Eiman*? The Quran provides the explanation:

وَإِذَا ذُكِرَ ٱللَّهُ وَحْدَهُ ٱشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ ٱلَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ
بِٱلْأَخِرَةِ ۖ وَإِذَا ذُكِرَ ٱلَّذِينَ مِن دُونِهِۦٓ إِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُونَ

However, the hearts of those who do not believe in Allah the Only One and the hereafter are filled with disgust and horror when told that supremacy and authority belongs to Him alone; but when those besides God (as being capable of intercession) *are mentioned, they are filled with joy.* (39:45)

The following verse explains the same in these words:

ذَٰلِكُم بِأَنَّهُۥٓ إِذَا دُعِىَ ٱللَّهُ وَحْدَهُۥ كَفَرْتُمْ ۖ وَإِن يُشْرَكْ بِهِۦ
تُؤْمِنُوا۟ ۚ فَٱلْحُكْمُ لِلَّهِ ٱلْعَلِىِّ ٱلْكَبِيرِ

(They would be told) *"When you were called upon to obey Allah as the Only One* (to Whom belongs sovereignty)*, you rejected* (the call)*. But you immediately accepted the partners who were ascribed to Him. But the right to exercise authority belongs only to Allah, the most exalted and the greatest.* (40:12)

In other words:

وَلَا يُشْرِكُ فِى حُكْمِهِۦٓ أَحَدًا

... nor does He share His sovereignty with anyone. (18:26)

In yet another verse it is stated:

أَمْ لَهُمْ شُرَكَٰٓؤُا۟ شَرَعُوا۟ لَهُم مِّنَ ٱلدِّينِ مَا لَمْ يَأْذَنۢ بِهِ ٱللَّهُ

Do they have other partners (their religious leaders) *who have established for them some laws* (*Shari'at*) *without Allah's permission?* (42:21)

Who are the people who place themselves in absolute authority alongside Allah? Again the answer is in the Quran:

ٱتَّخَذُوٓاْ أَحۡبَارَهُمۡ وَرُهۡبَٰنَهُمۡ أَرۡبَابٗا مِّن دُونِ ٱللَّهِ

They take their priests and their anchorites to be their lords in derogation of Allah, and Christ, the son of Mary (they take to be Son of God) ... (9:31)

In addition Allah said:

أَوَلَمۡ يَكۡفِهِمۡ أَنَّآ أَنزَلۡنَا عَلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ يُتۡلَىٰ عَلَيۡهِمۡۚ

And is it not enough for them that We have sent down to you the Book which is rehearsed to them? (29:51)

In other words Allah has said: isn't the Quran sufficient to explain *Deen*? Yet our religious leaders openly deny that the Quran is sufficient. In the past they claimed that there were additional scriptures as important as the Quran; and as time went by, these additional scriptures took the place of authority, and the Quran remained only in name for the purpose of recitation.

The Quranic definition of 'associating partners with Allah' is to put manmade laws on par with His own. Allah's Laws are permanent and inviolable, i.e. applicable at any and all times and not subject to change. Hence those who make additions to the Islamic Laws, no matter how respectable or well-intentioned, cannot make laws that are permanent or inviolable. To do so is to mix *shirk* (polytheism) with *Tauheed* (monotheism) – i.e. associate partners with Allah. Abu-al-Allaa Maududi agreed with this fact. He wrote:

'A religious scholar can be the most highly qualified of his time; but his qualifications do not transcend his time. His vision cannot extend far enough to anticipate all affairs through the ages.' (*Tafheemaat*, *Part 2*, P.426)

Therefore it is impossible for a scholar, despite his most earnest efforts, to account for all situations in all periods. Furthermore, he wrote:

'Whether a person interprets Islamic Law from his own understanding, or whether he attains his laws from any other of the Revelations; either way his effort cannot be an everlasting law and fixed principle for the world, because human intellect and wisdom is always confined according to the times he lives in.' (*Tanqihaat*, P.120)

Then he wrote:

> 'If anyone is free from the confines of time and space, it is Allah, Who possesses True knowledge and Whose wisdom (and Law) never changes.' (*Tanqihaat*, P.120)

The trouble however is that such people say one thing and do another. Here in Pakistan manmade laws have been called *Shari'at* and have been enforced in Allah's name. Obviously these laws are not really Allah's Laws at all; they are manmade. The *Islami Nazryaati Council* (Islamic Vision Council) even examined the laws presented by Abu-al-Allaa Maududi to try and ensure that they were acceptable as *Shari'at*. Of course the members of the Council are but humans too. Note now what has been said about these manmade laws. Abu-al-Allaa Maududi said in an interview:

> 'Now our duty is to ensure that the public knows that Allah's Law is being implemented here.' (*Tharjamaan-al-Quran magazine*, April 1979, P.13)

To any ordinary person, trying to label manmade laws as Divine is sheer blasphemy. Even the early Islamic scholars who drew up *Shari'at* law never claimed that their work had the same authority as Allah's Law. They always stated that their *Shari'at* were drawn up out of their own understanding of Islam. Hence the laws that are being enforced in Pakistan are simply laws *for Pakistan.* They are not Allah's Law. Allah's Laws can only be found in His Book.

The Quran makes a reference to the People of the Book in the following verse (Translator's Note: However, this verse also applies to the Muslims):

يَكْتُبُونَ ٱلْكِتَٰبَ بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَٰذَا مِنْ
عِندِ ٱللَّهِ لِيَشْتَرُوا۟ بِهِۦ ثَمَنًا قَلِيلًا

> *Thus they fabricate the Shari'at themselves* and (then deceive others when) *they say: "This is from Allah," just to secure a paltry price for it.* (2:79)

Abu-al-Allaa Maududi made a very important announcement in a newspaper about the *Shari'at* he wanted to enforce in Pakistan:

> 'Violating manmade laws is one thing, and violating Allah and the Rasool's Laws is quite another. By violating Allah and the Rasool's Laws a person poses a threat to his own *Eiman* (i.e. that he is in danger of becoming *Mushrik*), and thus he incurs Allah's wrath.' (*Asia*, February 1979, P.9)

In secular systems manmade laws are implemented and adhered to. However breaking or violating the laws of such a system results only in a penalty as it prescribes. Neither does it affect a perpetrator's *Eiman* nor does it incur Allah's

wrath. Yet Abu-al-Allaa Maududi advocated manmade laws for Pakistan's constitution and sanctified them. In other words he claimed that violating his advocated laws would result not only in a penalty, but also endanger the perpetrator's *Eiman* and incur Allah's wrath.

The word for this is theocracy, which time has proven to be the worst form of slavery.

Conflicting versions of Allah's Law?

Iqbal and Quaid-e-Azam obtained Pakistan in order to abolish theocracy. They said repeatedly that whatever happens, theocracy must not take hold in Pakistan, because religious leaders always use Allah's name falsely to oblige people to follow their manmade laws.

There is another noteworthy point to consider here. In Pakistan the majority of Muslims belong to the *Fiqah* Hanfi sect. Hence the *Fiqah* (meaning law) of the Hanfi is enforced as Allah's Law. In Iran the majority of Muslims belong to the *Fiqah* Jaafria sect followers – so their *Fiqah* is enforced as Allah's Law. These are two free Islamic nations with contradictory legislations yet (according to Maududi) both are Allah's Constituents. Likewise, in Saudi Arabia the *Fiqah* Humbli is Allah's Law in effect, which again differs from Pakistan and Iran. If tomorrow one of Egypt, Morocco, or Indonesia decides to enforce its majority sects, then *Fiqah* Malki and *Fiqah* Shafi (the other two major sects of conventional Islam) will also be declared Allah's Constituents, despite being contradictory to one another. This is the Islam for which the world is observing a bitter ongoing struggle.

In Pakistan the Shiite followers are demanding their right to bring in the *Fiqah* Jaafria. If their demand is met, then Pakistan will face a paradox in its system, as two sets of legislation will be offically recognised as Allah's Law. If their demand is not met (and the *Fiqah* Hanfi alone remains in force), then the Shiite followers will by default be violating the law of the land. Not only will they have to contend with a penalty, but by Maududi's own admission, their *Eiman* will be endangered and they will incur Allah's wrath. Furthermore, if circumstances are such that the Shiite followers become the majority, then it will be the Hanfi followers' *Eiman* on the line. We should now ask ourselves: in what kind of light is this portraying Allah? The present situation suggests that there is no fixed criteria for what appeases Him and what incurs His wrath. It seems these criteria vary, depending on who is in the majority in a given period. The majority will be the ones receiving His blessings, yet in the next period they may fall into the minority and hence incur His wrath. Allah therefore becomes like the speaker in parliament. He speaks in favour of whoever is in the majority at the time.

So what is the game being played behind the veil of religion? Clearly the situation is not accidental. It is the result of a pre-conceived plan. Out of all manmade

systems – whether they are the capitalism of Britain, America, and India, or the communism of Russia and China – none can ever tolerate the establishment of the Quranic system in any other country on earth. This is because the Quranic system is the only one that can completely wipe out these systems (Translator's Note: This is the obstacle mentioned earlier that is preventing the Truth in the Quran from being presented to the Western thinkers.). In the fight for Pakistan's independence, it was continuously emphasised that the objective of doing so was to establish a Quranic system. Of course this was met with fierce opposition. Lord Cromer said often (*Asia Weekly*, 18th July 1976) that if Muslims wished to be free, then the British would grant them their freedom; but if they wished to establish an Islamic system, then the British would never allow it.

During the Partition struggle, the famous Hindu leader Mr Munshi stated bluntly:

> 'Do you even know what Pakistan represents? If you do not, then listen. Pakistan by definition is a country in which the Muslims have the right to establish a base – in one region or more – in which to mould their people in the Quranic ideals.' (Tribune, 2nd November 1941)

Incidentally, Gandhi's remark here is food for thought:

> 'If religion is left as it is – as a personal relationship with God – then the many things that Hindus and Muslims have in common will inevitably bring them together, and therefore they will also have a practical way of life in common.' (India Times, 9th June 1940)

Immediately after Quaid-e-Azam's death the Hindus realised that Pakistan's position was considerably weakened. Hence there was room for negotiations in which to reach an understanding. *India Times* released an editorial in part of which we shall quote here:

> 'If Pakistan abandons its idea (i.e. Islam) and instead adopts the democratic ideal, then Pakistan and India and Muslims and Hindus can improve their relations.' (*India Times*, 19th October 1948)

It is clear from the above that no nation could ever tolerate the establishment of an Islamic constitution in Pakistan. Ever since the Partition, religious parties opposed to Pakistan's independence now base themselves in the very same country and work continuously to ensure that it never establishes a Quranic government. After Pakistan's formation, these religious movements spread conventional (i.e. non-Islamic) Islam first in Pakistan and then throughout the other Islamic nations, with a speed and fervour unmatched at any other time in history. The result of these efforts is bearing fruit today, as theocracy has begun to subdue Pakistan. Remember that establishing Islam in a secular nation is not nearly as difficult as it is to do so in a

theocratic nation. This is because a theocratic system takes on a manmade ideal and sanctifies it. The public are thus being deceived by a false Truth, and to get them away from it is extremely difficult.

This is the situation as it stands today. Pakistan experienced misfortune at the very beginning that has hampered its progress so far thus. We fought for Pakistan so that we could free ourselves from human oppression and take ourselves forward by obeying only His Law. However we have ended up being bound by the same old shackles instead.

I wanted the arrow to be extracted from my chest and the surgeon's knife to be broken inside my heart.

I know that an ongoing conspiracy has created an atmosphere in which any attempt to tell the Truth tends to fall on deaf ears. Nevertheless I will continue calling out, so that at least an historian in the future will see that even in such a dire state of affairs there was a voice for the Truth:

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَن يُؤْتِيَهُ ٱللَّهُ ٱلْكِتَـٰبَ وَٱلْحُكْمَ
وَٱلنُّبُوَّةَ ثُمَّ يَقُولَ لِلنَّاسِ كُونُوا۟ عِبَادًا لِّى مِن دُونِ ٱللَّهِ
وَلَـٰكِن كُونُوا۟ رَبَّـٰنِيِّـۧنَ بِمَا كُنتُمْ تُعَلِّمُونَ ٱلْكِتَـٰبَ
وَبِمَا كُنتُمْ تَدْرُسُونَ

It is not possible for any human being – even though Allah may have given him a Code of Laws or the power to enforce it, or even Nubuwwat (declared Prophet) *– has the right to say to the others: "You should obey me rather than Allah." On the contrary he should say: "You should be amongst those who belong to Allah by following His Book which you study and teach to others."* (3:79)

This is the definition of real freedom, which we are not even close to having at present.

O candle! Turn into tears and fall from a moth's eyes;

From head to toe in pain am I; my story is full of sorrow.

What can be done?

So what can be done in these circumstances? Note that the answer doesn't apply only to Pakistan. This is because the problems I have outlined above are not exclusive to Pakistan. At this time the circumstances within each Muslim country are more or less the same. I submit that whichever country wishes to establish a government based on Allah's Law alone must first eliminate all oppressive institutes, including monarchy, dictatorship, theocracy and today's democracy. Thereafter the country must take the following steps:

1) It must assert in its legislation that the ruling authority of the country belongs to the Quran.

2) The duty of the country must be to implement the Quran's Law, Philosophy and Values.

3) The most highly qualified from amongst the *Ummah* (i.e. the country's Muslim population) will settle the implementation of the above (Quranic) system through mutual consultation (The members of this selected body can alternatively be referred to as the parliament). Hence there will be no divisions in the parliament. This is because any religious or political divide is tantamount to *shirk*. The requirement for becoming a member of the parliament is to be fully conversant with the Quran. (Parwez, Pakistan Independence Day speech, August 1979)

****

Translator's Note: Allama Parwez Sahib asked the readers at this point: 'So what happens if there is a disagreement amongst the members of parliament, or there is opposition from members of the public?' He suggested that a higher council made up of the most highly qualified legislators should exist to intervene in the event that this should happen. The key point was that this higher council having clear insight would be in the best position to judge how well a given resolution would work in practice and whether or not it violated any principle of the Quran at any level.

I am compelled to object to his suggestion. The very notion of a higher council defies the concept that the parliamentary body already consists of the most highly qualified members of society – and more importantly, it could be seen as a form of authoritative division. I concede that humans, having limited understanding, have a tendency to disagree on almost everything; but under the supervision of the Quranic Principles the probability of this occurring should in effect be reduced to nil. The Quran itself testifies to this fact:

إِنَّآ أَنزَلۡنَآ إِلَيۡكَ ٱلۡكِتَٰبَ بِٱلۡحَقِّ لِتَحۡكُمَ بَيۡنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُۚ

We have sent you the Book in truth, in order that, under Allah's guidance, you can judge between people in matters wherein they differed. (4:105)

قَدْ جَآءَكُم مِّنَ ٱللَّهِ نُورٌ وَكِتَـٰبٌ مُّبِينٌ

Light from Allah has come to you in the form of a perspicuous Book. (5:15)

Hence there is no question of disagreement within the *Ummah*, as the Quran itself is the judge.

أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ ٱلْقُرْءَانَ ۚ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِندِ غَيْرِ ٱللَّهِ

لَوَجَدُوا۟ فِيهِ ٱخْتِلَـٰفًا كَثِيرًا

Do they not reflect upon the Quran? Were it from anyone other than Allah, they would surely have found therein plenty of contradictions. (4:82)

Furthermore, Allah states unequivocally that:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا ٱلْقُرْءَانَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ

And We have indeed made the Quran easy to understand: then is there any (person) *that will receive admonition* (i.e. heed the warning)*?* (54:17)

We have *Eiman* that the Quran is perfect. Since the Quran contains clear, unequivocal Laws, it can be consulted to quickly and decisively resolve any disagreement within the *Ummah*. However one may argue that it is still possible for the *Ummah* to mistakenly pass a subsidiary law that is detrimental to the State. After all, as humans we are bound to make mistakes.

In fact, Allah acknowledges this, and furthermore He supplies the solution:

ٱلتَّـٰٓئِبُونَ

Those that turn (to Him) *in repentance …* (9:112)

Hence as soon as a given subsidiary law is recognised to be defective, the *Ummah* can always reconvene to overturn it and rectify the mistake with an alternative course of action (*taubah*). If the members of parliament ultimately still end up disagreeing on a given resolution, even with the safeguards in place, then somebody or other amongst them is not fully conversant with the Quran – and therefore is not qualified to act as a legislator in the first place.

The translator would like to thank Professor Muhammad Sarwar Rija Sahib for his kind assistance in translating the Urdu and Persian poetry in this chapter.